بائبل کا الہام

مسیحی علم کلام کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ



مولانا ابو محمد اسماعیل عارفی

خداوند نے مجھ کو شاگردوں کی زبان بخشی تاکہ میں جانوں کہ کلام کے
وسیلہ سے کس طرح تھکے ماندے کی مدد کروں (یسعیاہ ۵۰:۴)

بائبل کا الہام

مسیحی علمِ کلام کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

مولانا ابو محمد اسماعیل عارفی

4

حسنِ ترتیب

انتساب

زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کے نام جنہیں جادۂ منزل
کی تلاش ہے اور وہ حق واضح ہو جانے کے بعد اسکے قبول
کرنے میں کوئی ڈر نہیں رکھتے

اپنی بات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والنعت لخاتم الرسالۃ اما بعد

مسیحی اور مغربی دنیا کا اس بات پر بڑا شدید اصرار اور پُر زور دعویٰ ہے کہ بائبل مقدس (توریت' زبور' اناجیل اربعہ' صحائف' خطوط وغیرہ پر مشتمل متعدد کتابوں کا مجموعہ جنکی صحت وتعداد پر مسیحی دنیا آج تک متفق نہیں ہو سکی) لفظ بلفظ خدا کا کلام ہے۔ غلطی وتحریف سے پاک ہے۔ انبیاء معرفت نے رُوح القدس کی تحریک وتائید سے اسے لکھا ہے (۲۔ پطرس ۲۱:۱) اسکی باتیں بڑی سچی' دلوں کو نور بخشنے والی' تاثیر میں بے مثال ہیں۔ اسکی کتاب کی وسعت عالمگیر اور پیغام ہمہ گیر ہے۔ اسکی تعلیمات ایسی سادہ ہیں کہ بچہ بھی اسکی گزرگاہوں میں چل پھر سکتا ہے اور ایسی گہری کہ زبردست عالم بھی انکی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کلام سراسر حکمت وروحانیت ہے عقل وفکر کو جلا بخشتا ہے وغیرہ وغیرہ (ہماری کتب مقدسہ جی۔ ٹی۔ مینلی) دوسری طرف حقیقت حال یہ ہے کہ جب کوئی شخص بائبل کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اسمیں ایسی ایسی باتیں پاتا ہے کہ جن میں عقل وہدایت کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ انکو الہامی یا آسمانی کہنا اور اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دینا ممکن ہی نہیں۔ انسانی شعور حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ ان باتوں کو کیسے قبول کرے انکا عقلی طور پر تسلیم کرنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تو بہت بعد کی بات ہے۔ یہاں ہم نے ایسی ہی چند باتیں سپردِ قلم کی ہیں۔ بائبل کی تمام نامعقول باتوں کا احاطہ مطلوب نہیں اور یہ ہمارے بس کا روگ بھی نہیں دراصل ہوا یہ کہ بر سبیلِ مطالعہ کچھ چیزیں سامنے آئیں ہم نے چاہا کہ اسے مرتب انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں۔

مسیحی دوستوں سے خاص طور پر ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کوشش کو یہ کہہ کر رد نہ کر دیں کہ یہ ایک غیر مسیحی کی لکھی ہوئی تحریر ہے اسے ہمارے مذہب کی کیا خبر! بلکہ وہ

مہربانی کر کے اسے ایک نظر ضرور دیکھیں اور از اول تا آخر ایک بار تو پڑھ ہی ڈالیں۔ اپنے عقائد و افکار پر غیروں کی طرف سے ناقدانہ تحریر کو پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر لکھنے والے کا تجزیہ و تنقید غلط فہمی یا تعصب پر مبنی ہو تو پڑھنے والا اپنے خیالات پر اور پختہ ہو جاتا ہے اور اگر اسکی باتیں عقل و عدل پر مبنی ہوں تو آدمی اپنے خیالات پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر تلاش حق کا جذبہ اسے حق سے ہمکنار بھی کر دیتا ہے۔ انسان کو سچ کا متلاشی رہنا چاہیئے اور اسے پالینے کی صورت میں ازراہِ عناد انکار کرنے کی بجائے اسے قبول کر کے ابدی فلاح و سکون کا مستحق بننا چاہیئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے

''مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہونگے'' (متی ۵:۶)

بعض عیسائی دانشوروں کا مفروضہ ہے کہ بائبل مقدس خدا کا کلام والہام ہونے کی وجہ سے اسے سمجھنے کیلئے الہامی زبان سے واقفیت اور روحانی عقل کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص اسے محض عقل انسانی سے سمجھنا چاہے گا تو یقیناً خطا کھائے گا گمراہی میں پڑا رہے گا اور وہ اسکی رُوح کو نہیں سمجھ سکتا۔

''کیونکہ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے .... مگر نفسانی آدمی خدا کے رُوح کی باتیں قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کے نزدیک بے وقوفی کی باتیں ہیں اور نہ وہ انہیں سمجھ سکتا ہے کیونکہ وہ روحانی طور پر پرکھی جاتی ہے لیکن روحانی شخص سب باتوں کو پرکھ لیتا ہے مگر خود کسی سے پرکھا نہیں جاتا۔ خداوند کی عقل کو کس نے جانا کہ اسکو تعلیم دے سکے؟ مگر ہم میں مسیح کی عقل ہے'' (۱۔ کرنتھیوں ۱:۲۵، ۲:۱۴)

ہم اسکے علاوہ اور کیا پرخلوص مشورہ دے سکتے ہیں کہ قارئین کو چاہیئے کہ انہیں یہ روحانی عقل جہاں سے بھی جس قیمت پر ملے ضرور لے لیں اور اسی کی کسوٹی پر ان نامعقول باتوں کو پرکھ لیں فیصلہ بھی انہیں کے سپرد ہے۔

ہم نے تجزیہ و تحقیق کرتے ہوئے عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل دیئے ہیں۔ عقلی دلائل تو روز روشن کی طرح ایسے واضح ہیں کہ عقل سے محروم شخص کے علاوہ کوئی انکار نہیں

کر سکتا۔ نقلی دلائل میں ہمارے پیش نظر چند کتابیں رہی ہیں جو انتہائی مستند ہیں اور مسیحی علم الہیات کا بہترین اثاثہ ہیں۔ ان میں سے ایک ''قاموس الکتاب'' ہے۔ جسے مسیحیت کے مستند عالم پادری ایف۔ ایس۔ خیر اللہ نے محقق ماہرین کی ایک ٹیم کے ساتھ ملکر تصنیف کیا ہے۔ ویسے تو انہوں نے بائبل کی انسائیکلوپیڈیا کے طور پر اسے تیار کیا ہے اور بڑی جانفشانی کے ساتھ درست ترین معلومات کو جمع کیا ہے لیکن حقیقت میں اپنے قلم زریں رقم سے اپنے ہی مذہب کا کھوکھلا پن خوب خوب ظاہر کیا ہے۔ دوسری ''تفسیر الکتاب'' ہے جسے سولویں صدی کے مشہور عیسائی عالم ''میتھیو ہینری'' نے تالیف کیا ہے۔ تیسری کتاب بھی بائبل کی ایک تفسیر ہے جو ''ولیم میکڈونلڈ'' کی کاوش ہے۔ مؤلف نے پیش رو مفسرین کی تحقیقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے انتہائی معتبر، جامع اور مسیحیوں کی مانی ہوئی تفسیر ہے۔ انکے علاوہ جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ بھی مسیحی علم کلام میں مستند درجہ رکھتی ہیں۔

اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ نہایت سہل، شستہ، مہذب اور سلجھے ہوئے انداز میں اپنی بات باحوالہ رکھی جائے اور کم از کم وہ جارحانہ سخت زبانی کا انداز نہ اپنایا جائے جو بائبل کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اختیار کر رکھا تھا کہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں بدکار، زناکار، کجرو نسل، زہریلے سانپ کے بچے تک کہہ جاتے ہیں (متی ۱۶:۴۔ ۱۷:۱۷۔ ۲۳:۳۳) ظاہر ہے کہ یہ انداز تخاطب مثبت اثر نہیں رکھتا تفصیل کا یہ موقعہ نہیں کہ ''ہر سخنے رامکانے دارد''

اللہ تعالیٰ سے بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان بھٹکے ہوئے قافلوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے جنہیں جادہ منزل کی تلاش ہے۔ اے اللہ کے بندو! ان خرافات کو چھوڑو اور اللہ تعالیٰ کی اُس کتاب برحق قرآن حکیم کی طرف لوٹ آؤ جو اس طرح کی نامعقول باتوں اور ہر طرح کے عیب وریب سے پاک ہے۔ تمام خوبیوں کا جامع تمام

خامیوں سے دور ہے۔ تمام آسمانی تعلیمات کا خلاصہ' آفاقی ہدایات کا حامل ہے' اسکے عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں' اسکا سینوں میں محفوظ کرنا آسان ہے' اسکی پیشنگوئیاں سچی ہیں' بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا' اہل علم اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے' الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے' دلوں پر اسکی تاثیر بے مثال ہے' فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ نمونے پر ہے' پڑھنے اور سننے والوں پر انتہائی خشیت' ہیبت' رقت طاری کرنے والا ہے' دل کے روگ' روح کی بیماریوں کیلئے نسخہ شفا ہے' رسالتِ محمدی ﷺ پر لازوال سدا بہار برہان ہے' زمانہ اپنے نت نئے انکشافات کے ساتھ اسکے حقائق پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا رہے گا' یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا محکم کلام ہے' خالق و مخلوق کے درمیان ربط کا ذریعہ ہے' یہ واحد الہامی کتاب ہے جسکی زبان زندہ ہے' جو ہر ملک میں اصل زبان میں پڑھی جاتی ہے' لاکھوں انسانوں کو مکمل زبانی یاد ہے' جسے دن میں پانچ مرتبہ کروڑوں انسان سنتے ہیں' جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں' جس نے دین و دنیا' عبادت و سیاست' معاملات و اخلاقیات کو جمع کیا' جو عقیدۂ توحید کا اعلیٰ ترین تصور پیش کرتی ہے' مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشتی ہے' نجات وفلاح کا عقل و عدل پر مبنی آسان' قابل عمل راستہ بتاتی ہے اور ''کفارہ و تثلیث'' کی بھول بھلیوں' پراسرار بھیدوں میں نہیں ڈالتی۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جو تضاد و تناقض سے خالی اور ہر طرح کی تحریف و تغیر سے محفوظ ہے۔ یہ واحد الہامی کتاب جو ''ایک کتاب'' کہلا سکتی ہے یہودیت و مسیحیت کی ایک نہیں بلکہ چھیاسٹھ یا تہتر کتابیں ہیں۔ غیر مسلموں نے بھی دل کھول کر اسکی تعریف کی ہے۔ زمانہ اسکی نظیر لانے سے ہمیشہ عاجز ہے اور رہے گا۔ دنیا کے تمام مذاہب کی مذہبی یا الہامی کتابیں ان خوبیوں سے بُری طرح محروم ہیں۔ انسانیت کو اس ہدایت وصداقت کی طرف پلٹ آنا چاہیئے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (القرآن ۲۰:۴۷)

''اور جو ہدایت کی بات مانے اسکو سلامتی ہو''

آخر میں اپنے دو عزیز مولانا محمد سلیم اور حافظ نعمان ظفر سلمہم اللہ کا شکریہ ادا کرنا انتہائی ضروری ہے جنہوں نے ہر طرح سے میرا ساتھ دیا۔ انکے پرخلوص تعاون ہی سے یہ عجالۂ نافعہ آپکے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انکو دنیا وآخرت میں اسکی بہترین جزاء عطا فرمائے اور خدمتِ دینِ متین کیلئے موفق فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین آمین

ابو محمد اسماعیل عارف

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

بائبل مقدس کی باتیں

نسب نامہ

بائبل میں توریت کی پہلی کتاب ''پیدائش'' میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اس طرح آیا ہے

''نوح کا نسب نامہ یہ ہے نوح مرد راستباز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا اور نوح خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور اس سے تین بیٹے سم حام اور یافت پیدا ہوئے۔ پر زمین خدا کے آگے ناراست ہوگئی تھی اور وہ ظلم سے بھری تھی۔ اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ ناراست ہوگئی ہے کیونکہ ہر بشر نے زمین پر اپنا طریقہ بگاڑ لیا تھا۔ اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آپہنچا ہے کیونکہ'' ....

(پیدائش ۶:۹ تا ۱۳)

ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ ''نسب نامہ'' سے مراد وہ خاندانی شجرہ ہوتا ہے جس میں باپ' دادا' پڑدادا اوپر تک سلسلہ نسل بیان کیا جاتا ہے۔ نسب نامہ میں آباء اجداد کے سلسلہ نسب کا ذکر ہوتا ہے۔ راستبازی' بے عیبی' خدا کے ساتھ ساتھ چلنا یہ چیزیں نسب سے نہیں بلکہ حسب و کردار' سیرت وصفات سے تعلق رکھتی ہیں۔ کتاب پیدائش کا فاضل مصنف رُوح القدس کی تائید والہام سے یہ عبارت لکھ رہا ہے اور بے خبری کا یہ عالم ہے کہ ''نوح کا نسب نامہ یہ ہے'' کہہ کر کوئی نسب نامہ ذکر نہیں کرتا جیسا کہ متی نے اپنی انجیل میں حضرت عیسی علیہ السلام کا نسب نامہ جیسا کیسا لکھا ہے بلکہ آگے چل کر بھی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سم' حام' اور یافت کے پیدا ہونے کا ذکر کرتا ہے حالانکہ نسب نامہ میں اوپر کی پشتوں کو ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ نیچے کی نسل اور سلسلہ اولاد کو۔ آخر تک پڑھ جائیے نسب نامہ کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی عقلمند یہودی یا مسیحی اسی کو ہی نسب نامہ قرار دے دے کیونکہ انکے نزدیک اس عبارت کو حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا ہے۔ تاہم ہمارے خیال میں حضرت موسی علیہ السلام جیسی علمی شخصیت کی طرف اسکو منسوب کرنا

محل نظر ہے اور ''خداوند کے لاتبدیل کلام'' میں اس طرح کا عبارتی سقم قطعاً مناسب نہیں۔

راستبازی

بائبل حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ تو نہیں بتاتی تاہم انکے حسب نامہ کا ذکر کرتی ہے کہ وہ مرد راستباز، صادق و کامل آدمی تھے، اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھے، خدا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے مگر دوسری جگہ انکو راستبازی، صدق و کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح دکھایا گیا ہے۔

''اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور اس نے اسکی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔ تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی''

(پیدائش ۹: ۲۰ تا ۲۳)

غور فرمایئے! زمانے کے لوگوں میں بے عیب اور خدا کے ساتھ ساتھ چلنے والی شخصیت کی عظمت کردار کا یہ عالم ہے کہ وہ تاریخ انسانی کا پہلا ''شرابی'' ثابت ہوتا ہے اور شراب کی مستی میں بالکل برہنہ بے لباس تک ہو جاتا ہے **نعوذباللہ** طرہ یہ کہ واقعہ انتہائی مستند ہے کیونکہ اسکی تصنیف کا سہرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سر باندھا گیا ہے۔ دراصل بائبل کی نگاہ میں کوئی شخص بھی نیکوکار، راستباز نہیں ہے انتہائی پاکیزہ اور عظیم لوگ جو انسانیت کیلئے ہدایت و نور کی روشن قندیلیں ہیں انتہائی ناپاک اور گھناؤنے جرائم میں ملوث نظر آتے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لعنتی کہا گیا ہے **نعوذباللہ** (گلتیوں ۳: ۱۳) عقائد کا بگاڑ اور غلو دیکھئے کہ ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا اور کامل خدا کہا جاتا ہے دوسری طرف انکو لعنتی کہا جاتا ہے۔ افراط و تفریط کی یہ عجیب مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں باطل

عقائد سے ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو انکو کسی بھی طرح سے لعنتی کہے وہ خود مستحق لعنت ہے بلکہ جو شخص انکے پاؤں کے جوتوں کے تسموں کی توہین کا خیال دل میں لائے وہ بھی ملعون اور خدا کی بادشاہی سے دور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ خدا تھے اور نہ ملعون بلکہ ایک عظیم انسان خدا کے پیارے بندے اور اولوالعزم پیغمبر تھے۔ قرآن مجید میں انکا ارشاد اپنے متعلق اس طرح آیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (القرآن ۱۹:۳۳)

''سلام ورحمت ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا''

بلاشبہ وہ ایسی ہی مبارک ہستی ہیں ہماری طرف سے خدا کے ان پر کروڑوں سلام اور رحمتیں ہوں۔

بیٹا باپ سے بڑا

یہودا کی سلطنت کے ایک بادشاہ یہورام کے بارے میں اس طرح بتایا گیا ہے۔

''یہورام جب سلطنت کرنے لگا تو بتیس برس کا تھا اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی''

(۲۔تواریخ ۲۱:۵)

اسی بات کو متعلقہ باب کی آخری آیت (۲۔تواریخ ۲۱:۲۰) میں پھر دوہرا گیا ہے مگر اگلے ہی باب میں لکھا ہے۔

''اور یروشلیم کے باشندوں نے اسکے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اسکی جگہ بادشاہ بنایا کیونکہ لوگوں کے اس جتھے نے جو عربوں کے ساتھ چھاؤنی میں آیا تھا سب بڑے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا۔ سو شاہ یہوداہ یہورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ ہوا۔ اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا'' (۲ تواریخ ۲۲:۱تا۲)

غور فرمائیے! باپ (۳۲+۸) ۴۰ برس کی عمر میں فوت ہوا اور اسکے فوراً بعد جب اسکا سب سے چھوٹا بیٹا حکومت کرنے لگا تو وہ ۴۲ برس کا تھا گویا اسکی پیدائش اپنے باپ سے بھی دو برس پہلے ہوئی۔ عقلی طور پر کسی شخص کی اولاد میں سے سب سے بڑا اپنے باپ سے کم از کم تیرہ یا چودہ سال چھوٹا ہونا چاہیئے اور سب سے چھوٹا بیٹا اپنے باپ سے کتنا چھوٹا ہوگا تصور کیا جاسکتا ہے مگر بائبل کے الہام پر قربان جایئے کہ بیٹا باپ سے بھی دو سال بڑا ہو گیا۔

اردو، فارسی، انگریزی اور عبرانی بائبل میں تو اسی طرح ہے تاہم رومن کیتھولک بائبل ''کلام مقدس'' کے مرتبین نے غلطی کا احساس کرتے ہوئے بائیس سال لکھ دیا ہے۔ جب کہ عربی بائبل کے مترجمین نے بیس سال لکھا ہے۔ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کون سا غلط ہے اسکا فیصلہ کرنا دشوار ہے تاہم ایک بات سو فیصد درست ہے کہ ان میں سے ایک قول یقیناً غلط ہے۔ مگر چونکہ وہ قول بھی الہامی ہے اور روح القدس کی راہنمائی سے لکھا گیا ہے لہٰذا اسے بھی غلط نہیں کہا جاسکتا۔ دنیا کے عقلاء کو چاہیئے کہ ان سب باتوں کو بیک وقت درست سمجھ کر ایمان لائیں کہ یہ خداوند کا کلام ہے۔

کنوارے پن کے نشان

بائبل میں دیے گئے عائلی قوانین کے حوالے سے عالم گیر تعلیمات پر مبنی دستور کی ایک شق اس طرح ہے۔

''اگر کوئی مرد کسی عورت کو بیاہے اور اسکے پاس جائے اور بعد اسکے اس سے نفرت کرکے۔ شرمناک باتیں اسکے حق میں کہے اور اسے بدنام کرنے کیلئے یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا اور جب میں اُسکے پاس گیا تو میں نے کنوارے پن کے نشان اس میں نہیں پائے۔ تب اس لڑکی کا باپ اور اسکی ماں اس لڑکی کے کنوارے پن کے نشانوں کو اس شہر کے پھاٹک پر بزرگوں کے پاس لے جائیں۔ اور اس لڑکی کا باپ بزرگوں سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی اس شخص کو بیاہ دی پر یہ اس سے نفرت رکھتا ہے۔ اور شرمناک باتیں اسکے حق میں کہتا اور یہ

دعوی کرتا ہے کہ میں نے تیری بیٹی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے حالانکہ میری بیٹی کے کنوارے پن کے نشان یہ موجود ہیں پھر وہ اس چادر کو شہر کے بزرگوں کے آگے پھیلا دیں''

(استثنا ۲۲: ۱۳ تا ۱۷)

سبحان اللہ! کس قدر حکمت و دانش' تہذیب و شرافت پر مبنی الہامی و آفاقی اصول ہے جو رہتی دنیا تک قابل عمل ہو سکتا ہے۔

پہلی بات تو معلوم کرنے کی یہ ہے کہ آیا کسی عورت کے کنواری ہونے کیلئے کنوارے پن کے نشان کا ہونا ضروری ہے؟ قدیم طبی تحقیق اور جدید میڈیکل سائنس کا اس پر اتفاق ہے کہ جنسی تعلق کے بغیر بھی مختلف وجوہ (دوڑنے' کودنے وغیرہ) کی بنا پر کنوارہ پن (پردۂ بکارت) ختم ہو سکتا ہے۔ کسی عورت کے باعفت' زنا سے بری اور کنواری ہونے کیلئے ''نشانات'' کا ہونا ضروری نہیں۔ محض کنوارے پن کے نشانات یعنی چادر پر خون کے داغ دھبوں کے نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کا تہمت لگانا بالکل بے بنیاد اور صریح ظلم ہے۔ مگر بائبل کے اصول کے مطابق وہ سچا ہے کیونکہ اگر عورت واقعی کنواری ہے تو کنوارے پن کے نشان لائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو شوہر عورت کو بدنام کرنے کیلئے اس پر غلط بہتان لگا رہا ہے تو وہ کنوارے پن کے نشانات والی چادر ٹھکانے نہیں لگائے گا؟ پھر وہ ''ثبوت والی چادر'' والدین کے ہاتھ کس طرح لگے گی؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس گئے گذرے دور میں جب حیا و شرافت کی کشتی ڈگمگا رہی ہے' فحاشی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ آج بھی کوئی غیور باپ اس طرح نہیں کر سکتا کہ اپنی بیٹی کی شب زفاف کی کنوارے پن کے نشانات والی چادر لوگوں کے سامنے لیے پھرے۔ یہ ایک ایسا شرمناک بے ہودہ اور نامعقول حکم ہے کہ انسانی شعور کو اسکے تصور سے بھی

گھن آتی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ شہر کے پھاٹک پر بیٹھے ہوئے بزرگوں کی ''بزرگی'' بھی بہت خوب ہے جو محض بزرگی کی وجہ سے اس عظیم منصب پر جلوہ افروز ہیں کہ اپنی قوم کی بیٹیوں کے کنوارے پن کے نشانات اور خون آلود چادروں کو چیک کرتے رہیں۔ خدمت قوم کا یہ پُرخلوص جذبہ واقعی بے مثال ہے۔ تاریخ انسانی اور مذاہب عالم اسکی نظیر پیش کرنے سے ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ اس طرح کی عمدہ تعلیمات کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت نے ہندومت کو بھی مات دیدی ہے۔

یادرہے کہ یہاں ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ حکم بہت قدیم زمانے میں بدوی اور دیہاتی زندگی کیلئے تھا اب یہ فرسودہ ہو چکا ہے' اس پر عمل کرنا ضروری نہیں یا یہ منسوخ ہے کیونکہ یہ اُسی توریت کا ابدی قانون اور زریں حکم ہے جسکے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے'' (متی ۵:۱۷تا۱۸)

جب توریت کا ایک نقطہ یا شوشہ نہیں ٹل سکتا تو یہ تو مستقل شریعت اور بہترین قانون ہے جو یقیناً اپنی جگہ بحال رہے گا۔ اور ''آسمانی تعلیمات'' سے روگردانی کرنا ویسے بھی مناسب نہیں خداوند کے ''حکموں'' پر عمل کرنے میں ہی دونوں جہانوں کی فلاح ہے۔

عمر گھٹ گئی

الہامی کتاب کا اصل موضوع اللہ تعالیٰ کے احکامات' ہدایات اور نصائح ہیں۔ لوگوں کے شخصی حالات مثلاً پیدائش' عمر' وفات' نسب نامہ کا ذکر کوئی ضروری امر نہیں۔ کیونکہ ان

چیزوں کا تعلق تاریخ وسوانح سے ہے انسانیت کی ہدایت وتعلیم سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں۔تاہم بائبل تاریخ نویسی کا بھی اہتمام کرتی ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (ابرام) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے''

(پیدائش ۱۱:۲۶)

ضمناً یہ بات قابل ذکر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام پہلے ابرام تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔

''اور تیرا نام پھر ابرام نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ابرحام ہوگا کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرا دیا ہے''

(پیدائش ۱۷:۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نسب نامہ کے بارے میں بعض نامکمل معلومات ذکر کرنے کے بعد انکے والد کے متعلق اس طرح بتایا گیا ہے۔

''اور تارح کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی اور اس نے حاران میں وفات پائی''

(پیدائش ۱۱:۳۲)

بائبل کے ان دو بیانات سے معلوم ہوا کہ اپنے باپ ''تارح'' کی وفات کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۲۰۵-۷۰) ۱۳۵ برس تھی۔اگلے باب میں باپ کی وفات کے بعد کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے اپنے باپ کے گھر اور اسکے شہر حاران سے کنعان ہجرت کرنے کا حکم دیا تو

''اور ابرام پچھتر برس کا تھا جب وہ حاران سے روانہ ہوا'' (پیدائش ۱۲:۴)

سوال یہ ہے کہ جب والد (تارح) کی وفات کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پینتیس سال کے تھے تو حاران سے کنعان جاتے وقت انکی عمر بڑھنے یا اتنی ہی رہنے کی بجائے اچانک ساٹھ برس کم کیسے ہوگئی؟ یاد رہے کہ عہد جدید سے بھی اس بات کی تصدیق

ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حاران سے کنعان جانا اپنے والد کی وفات کے بعد تھا چنانچہ لکھا ہے۔

''اے بھائیو اور بزرگو سنو! خدای ذوالجلال ہمارے باپ ابراہام پر اس وقت ظاہر ہوا جب وہ حاران میں بسنے سے پیشتر مسوپتامیہ میں تھا۔ اور اس سے کہا کہ اپنے ملک اور اپنے کنبے سے نکل کر اس ملک میں چلا جا جسے میں تجھے دکھاؤنگا۔ اس پر وہ کسدیوں کے ملک سے نکل کر حاران میں جا بسا اور وہاں سے اسکے باپ کے مرنے کے بعد خدا نے اس کو اس ملک میں لاکر بسادیا جس میں تم اب بستے ہو''

(اعمال ۷:۲تا۴)

ان آیات کا تقابل بائبل کے مصنفین کی حساب دانی کا عجیب وغریب نقشہ پیش کرتا ہے۔ حساب کے لحاظ سے یہ پیچیدگی بائبل کے مفسرین کیلئے سخت پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ابرام سب سے چھوٹا بیٹا ہے جو بڑے بیٹے کے ساٹھ سال بعد پیدا ہوا ہے مگر بائبل سے اسکی کوئی تائید نہیں ملتی۔ کوئی کہتا ہے کہ توریت کے سامری متن میں موت کے وقت تارح کی عمر ۱۴۵ سال بیان کی گئی ہے اس طرح ایک اور تضاد سامنے آجاتا ہے۔ گویا مفاد نظر آنے کی صورت میں سامریوں کی تورات سچی بن جاتی ہے ورنہ اسے جھوٹا مانا جاتا ہے۔ جب متن مستند نہ ہو تو شرح میں اس طرح کا ہیر پھیر کرنا بعض اوقات مجبوری بن جاتا ہے۔

خداوند کا کلام

حضرت حزقی ایل علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے ایک جلیل القدر پیغمبر اور پرجوش مبلغ ہیں۔ انکی طرف منسوب ایک صحیفہ ''حزقی ایل'' کے نام سے بائبل میں درج ہے۔ اس کتاب میں ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا تمام کلام جمع کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا مواد بڑی بصیرت اور جامعیت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے

اور اسکی ترتیب ایک منفرد ادبی صنف کے تابع ہو کر ایک ناقابل تردید حقیقت معلوم ہوتی ہے (قاموس الکتاب ص۳۲۴) اس صحیفہ ہدایت میں درج خداوند کے کلام کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

''اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ کہ اے آدمزاد! دو عورتیں ایک ہی ماں کی بیٹیاں تھیں۔ انہوں نے مصر میں بدکاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں بدکار بنیں۔ وہاں انکی چھاتیاں ملی گئیں اور وہیں انکے دوشیزگی کے پستان مسلے گئے۔ ان میں سے بڑی کا نام اہولہ اور اسکی بہن کا اہولیبہ تھا اور وہ دونوں میری ہوگئیں اور ان سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئے اور انکے یہ نام اہولہ اور اہولیبہ سامریہ و یروشلیم ہیں۔ اور اہولہ جب کہ وہ میری تھی بدکاری کرنے لگی اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہوئی۔ وہ سردار اور حاکم اور سب کے سب دلپسند جوانمرد اور سوار تھے جو گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ارغوانی پوشاک پہنتے تھے۔ اور اس نے ان سب کے ساتھ جو اسور کے برگزیدہ مرد تھے بدکاری کی اور ان سب کے ساتھ جن سے وہ عشقبازی کرتی تھی اور انکے سب بتوں کے ساتھ ناپاک ہوئی۔ اس نے جو بدکاری مصر میں کی تھی اسے ترک نہ کیا کیونکہ اسکی جوانی میں وہ اس سے ہم آغوش ہوئے اور انہوں نے اسکے دوشیزگی کے پستانوں کو مسلا اور اپنی بدکاری اس پر انڈیل دی۔ اس لئے میں نے اسے اسکے یاروں یعنی اسوریوں کے حوالہ کر دیا جن پر وہ مرتی تھی۔ انہوں نے اسکو بے ستر کیا اور اسکے بیٹوں اور بیٹیوں کو چھین لیا اور اسے تلوار سے قتل کیا۔ پس وہ عورتوں میں انگشت نما ہوئی کیونکہ انہوں نے اسے عدالت سے سزا دی۔ اور اسکی بہن اہولیبہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہوئی اور اس نے اپنی بہن سے بڑھ کر بدکاری کی۔ وہ اسوریوں پر عاشق ہوئی جو سردار اور حاکم اور اسکے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر سوار ہوتے اور سب کے سب دلپسند جوانمرد تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوگئی۔ ان دونوں کی ایک ہی روش تھی۔ اور اس نے بدکاری میں ترقی کی کیونکہ جب اس نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں یعنی کسدیوں کی تصویریں جو شنگرف سے کھنچی ہوئی تھیں۔ جو پٹکوں سے کمربستہ اور سروں پر رنگین پگڑیاں پہنے تھے اور سب کے سب دیکھنے میں امرا اہل بابل کی مانند تھے جن کا وطن کسدستان ہے۔ تو دیکھتے ہی وہ ان پر مرنے لگی اور انکے پاس کسدستان میں قاصد بھیجے۔ پس اہل بابل اسکے پاس آکر عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اس سے بدکاری کر کے اسے آلودہ کیا اور وہ ان سے ناپاک ہوئی تو اسکی جان ان سے بیزار ہوگئی۔ تب اسکی بدکاری علانیہ ہوئی اور اسکی برہنگی بے ستر ہوگئی۔ تب میری جان اس سے بیزار ہوئی جیسی اسکی بہن سے بیزار ہو چکی تھی۔ تو بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے جب وہ مصر کی سرزمین میں بدکاری کرتی تھی بدکاری پر بدکاری کی۔ سو وہ پھر اپنے اُن

یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جنکا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔ اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کو جب کہ مصری تیری جوانی کی چھاتیوں کے سبب سے تیرے پستان ملتے تھے پھر یاد کیا"

(حزقی ایل باب ۲۳:۱تا۲۱)

انصاف سے بتائیں کہ اس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ جل جلالہ، عم نوالہٗ اعظم شانہ کی عظمتِ شان کے لائق ہوسکتا ہے؟ کیا کلام خداوندی کا ایسا ہی اعلیٰ معیار ہوتا ہے؟ بادشاہ کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا کلام دیگر سب کلاموں سے نہایت بلند و بالا ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں کلامِ الٰہی کے طور پر اتنے غلیظ اور فحش انداز میں گفتگو کی گئی ہے کہ ہمیں اسکو لکھتے ہوئے شرم آرہی ہے اور ایک حیادار آدمی کیلئے اسکی تلاوت انتہائی مشکل ہے۔ معلوم نہیں مسیحی خواتین وحضرات اسکو کس طرح پڑھتے ہونگے آخر کبھی کبھار تو پڑھنے کی نوبت آتی ہی ہوگی کیونکہ کلام الٰہی کا کوئی حصہ بھی قابل ترک نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں یہ سب بے ہودہ کلام ہے جو اللہ رب العزت کی طرف منسوب کردیا گیا ہے اور عقل وشعور سے محروم لوگ اس کو کلام الٰہی قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ وہ خود اپنی زبان پر اس طرح کی گفتگو لانا خلافِ تہذیب وشرافت سمجھتے ہیں۔ صحیح بات وہی ہے جو بڑی خوبی کے ساتھ دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے۔

"خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے" (امثال ۳۰:۵)

ہمارا بھی اسی پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک سخن پاک ہے اور یہ ناپاک کلام اس عظیم پاکیزہ ہستی کی طرف منسوب کرنا ذاتِ خداوندی کے حق میں ایک بہت بڑی توہین آمیز گستاخانہ جسارت ہے۔

مسیحی اور یہودی دانشور کہتے ہیں کہ یہاں دو بدکار بہنوں کی حکایت بطور تشبیہ ہے۔ دراصل اس سے اسرائیل اور یہوداہ کی دو سلطنتیں مراد ہیں جنھوں نے سخت نافرمانی اور بغاوت کی شرک اور مشرک قوموں کی طرف راغب ہوئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا تو خدا تعالیٰ

کا ان پر غضب ہوا۔ انکی نافرمانیوں اور شرارتوں کو اس کلام میں استعارہ کے اسلوب میں ذکر کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنے سے مدعا کیلئے اس طرح کا کلام کرنا ہی ضروری ہے؟ کیا تشبیہ و تمثیل کیلئے کنوارہ پن' چھاتیاں ملنا' پستان مسلنا' مباشرت کرنا' بستر عشق پر چڑھنا 'گدھوں کے بدن' گھوڑوں کے انزال وغیرہ کا ذکر لازمی ہے؟ کیا خدائے پاک اپنے اعلیٰ کلام کیلئے ان تعبیرات کے محتاج ہیں؟ کیا بلاغت کا کمال' فصاحت کا زور' استعارہ کا حسن ان باتوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب تک ان گندی باتوں کا تذکرہ نہ آئے تب تک کلام الٰہی میں روحانیت و ہدایت کی اعلیٰ شان پیدا نہیں ہوتی **نعوذباللہ** یہ باطل تاویل ذات خداوندی پر ایک انتہائی بدنما داغ ظاہر کرتی ہے۔ حالانکہ جس طرح اسکا سخن پاک ہے اسی طرح اسی کی ذات وصفات بھی ہر عیب سے پاک ہے۔

سُبحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (القرآن ۱۷:۴۳)

(پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں)

سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کا مواد ایک باشعور انسان کو ان "پاک نوشتوں" کے متعلق دوسری رائے قائم کرنے پر مجبور کردیتا ہے ایک مسیحی محقق لکھتے ہیں۔

"اس کتاب میں بہت سی باتیں پر اسرار اور مبہم ہیں انہیں سمجھنا بہت مشکل ہے خصوصاً شروع کے اور آخر کے چند ابواب تو بے حد مشکل ہیں۔ اس لئے یہودی اپنے جوانوں کو منع کرتے تھے کہ تیس برس کی عمر سے پہلے انہیں نہ پڑھیں تاکہ ان مشکلات کی وجہ سے وہ پاک نوشتوں کے خلاف رائے قائم نہ کر بیٹھیں" (تفسیر الکتاب۔ میتھیو ہینری ج ۲ ص ۹۹۱)

تیس برس کی قید ایک لایعنی امر ہے کیونکہ اس عمر کے بعد تو شعور اور بھی پختہ ہوجاتا ہے اور جو شخص بھی عقل و شعور سے کام لے گا وہ اس پاک نوشتہ کے خلاف ضرور رائے قائم کر بیٹھے گا۔

بہترین تمثیل

بائبل میں ایک جگہ یروشلیم (قدیم یہودی اسرائیلی سلطنت) پر خدا کی مہربانی اور اسکے مقابلہ میں یروشلیم کی نافرمانی و بے وفائی کو ایک ''بے وفا عورت'' کی تمثیل کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی کلام میں تمثیل کا آنا برا نہیں بلکہ تمثیل مضمون کے سمجھنے میں سہولت پیدا کرتی ہے لیکن یہاں تمثیل کا جو اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے اور جن الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ایک مذہبی والہامی کتاب کے شایانِ شان نہیں بلکہ یہ طرزِ کلام فحش نگاری کا نمونہ نظر آتا ہے مثلاً

''پھر خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ کہ اے آدمزاد! یروشلیم کو اسکے نفرتی کاموں سے آگاہ کر۔ اور کہہ خداوند خدا یروشلیم سے یوں فرماتا ہے کہ تیری ولادت اور تیری پیدائش کنعان کی سرزمین کی ہے تیرا باپ اموری تھا اور تیری ماں حتی تھی۔ اور تیری پیدائش کا حال یوں ہے.............. میں نے تجھے چمن کے شگوفوں کی مانند ہزار چند بڑھایا۔ سو تو بڑھی اور بالغ ہوئی اور کمال و جمال تک پہنچی تیری چھاتیاں اٹھیں اور تیری زلفیں بڑھیں لیکن تو ننگی اور برہنہ تھی............... لیکن تو نے اپنی خوبصورتی پر تکیہ کیا اور اپنی شہرت کے وسیلہ سے بدکاری کرنے لگی اور ہر ایک کے ساتھ جسکا تیری طرف گذر ہوا خوب فاحشہ بنی اور اسی کی ہوگئی................ اور تو نے اپنی تمام مکروہات اور بدکاری میں اپنے بچپن کے دنوں کو جبکہ تو ننگی اور برہنہ اپنے خون میں لوٹتی تھی کبھی یاد نہ کیا''

(حزقی ایل ۱۶: ۱ تا ۴، ۷، ۱۵، ۲۲)

یہ تریسٹھ آیات پر مشتمل پورا باب اسی تمثیل پر مبنی ہے۔ باب میں ذکر کردہ بعض اجزاء مقصد کے بیان کیلئے کافی وافی ہیں۔ اوپر ذکر کیے گئے جملوں کی کوئی ضرورت نہ تھی تمثیل وبیان کے حوالے سے انکی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے صرف لذت انگیزی اور فحش نگاری کیلئے یہ جملے بڑھائے گئے ہیں۔ اس کلام میں مذہبی تمثیل کی بجائے جنسی تصویر کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بائبل کے مصنفین پر انکا جسمانی لطف اندوزی کا ذوق (Sensuality) انکے مذہبی واخلاقی ذوق پر غالب تھا۔ حکمت وہدایت، نجات ونور کے

متلاشیوں کو اس طرح کی چیزیں بے کار معلوم ہوتی ہیں اور ایسے مواد کا کلام الٰہی میں مندرج ہونا انتہائی نامناسب ہے ایک مسیحی علامہ لکھتے ہیں:۔

''پہلی صدی عیسوی میں اسے قارئین کی نظروں سے اوجھل رکھنے کا رجحان ملتا ہے۔ اسکی بھی تین وجوہ تھیں بعضوں کے نزدیک باب ۱۶ کا پڑھنا عوام کو سخت ناگوار گزرتا تھا''

(قاموس الکتاب ص ۳۲۴)

یہ عجائباتِ زمانہ میں سے ہے کہ خدا کا کلام ہو اور خدا کے فرمانبردار اہل ایمان بندوں کو اس کلام کا پڑھنا سخت ناگوار ہو آخر کیوں؟

حسنِ استعارہ

بائبل کی ایک کتاب ''غزل الغزلات'' ہے اسے ''نشید الاناشید'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے۔ جنکی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ یہودی عیدوں کے موقع پر انہیں پڑھتے تھے یہ گیت عید فسح کے موقعہ پر گایا جاتا تھا۔ مسیحی حضرات مذہبی تقریبات میں ان نغموں کو سریلی آواز میں گنگنا کر رسمِ عبادت ادا کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''وہ اپنے منہ کے چوموں سے مجھے چومے کیونکہ تیرا عشق مے سے بہتر ہے............ تیرے گال مسلسل زلفوں میں خوشنما ہیں............ میرا محبوب میرے لئے دستہ مر ہے جو رات بھر میری چھاتیوں کے درمیان پڑا رہتا ہے............ اسکا بایاں ہاتھ میرے سر کے نیچے ہے اور اسکا داہنا ہاتھ مجھے گلے سے لگاتا ہے............ میں نے رات کو اپنے پلنگ پر اسے ڈھونڈا جو میری جان کا پیارا ہے۔ میں نے اسے ڈھونڈا پر نہ پایا............ اب میں اٹھوں گی اور شہر میں پھروں گی۔ کوچوں میں اور بازاروں میں............ کہ میری جان کا پیارا مجھے مل گیا۔ میں نے اسے پکڑ رکھا اور اسے نہ چھوڑا جب تک کہ میں اسے اپنی ماں کے گھر میں اور اپنی والدہ کے خلوت خانہ میں نہ لے گئی .... دیکھ تو خوبرو ہے اے میری پیاری! دیکھ تو خوبصورت ہے۔ تیری آنکھیں تیرے نقاب کے نیچے دو کبوتر ہیں۔ تیرے بال بکریوں کے گلہ کے مانند ہیں............ تیرے دانت بھیڑوں کے گلہ کی مانند ہیں جنکے بال کترے گئے ہوں اور جنکو غسل دیا گیا ہو............ تیرے ہونٹ قرمزی ڈورے ہیں۔ تیرا منہ دلفریب ہے۔

تیری کنپٹیاں تیرے نقاب کے نیچے انار کے ٹکڑوں کی مانند ہیں۔ تیری گردن داؤد کا برج ہے جو سلاح خانہ کے لئے بنا.......... تیری دونوں چھاتیاں دوتو ام آہو بچے ہیں........ اے میری پیاری! میری زوجہ! تو نے میرا دل لوٹ لیا........ اے میری پیاری! میری زوجہ! تیرا عشق کیا خوب ہے!........ اے میری زوجہ! تیرے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے.......... اے امیر زادی تیرے پاؤں جوتیوں میں کیسے خوبصورت ہیں! تیری رانوں کی گولائی ان زیوروں کی مانند ہے جن کو کسی استاد کاریگر نے بنایا ہو۔ تیری ناف گول پیالہ ہے۔ جس میں ملائی ہوئی مے کی کمی نہیں تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے.......... تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔ تیری آنکھیں بیت ربیم کے پھاٹک کے پاس حسبون کے چشمے ہیں۔ تیری ناک لبنان کے برج کی مثال ہے........ تیرا سر تجھ پر کرمل کی مانند ہے اور تیرے سر کے بال ارغوانی ہیں۔ بادشاہ تیری زلفوں میں اسیر ہے...... اور تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں۔ میں نے کہا میں اس کھجور پر چڑھوں گا اور اسکی شاخوں کو پکڑوں گا.......... اور تیرے سانس کی خوشبو سیب کی سی ہو۔ اور تیرا منہ بہترین شراب کی مانند ہو.......... اسکا بایاں ہاتھ میرے سر کے نیچے ہوتا اور دہنا مجھے گلے سے لگاتا.......... ہماری ایک چھوٹی بہن ہے۔ ابھی اسکی چھاتیاں نہیں اٹھیں''

(غزل الغزلات باب ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۸)

اس ساری جنسی ہیجان انگیز شاعری کا مقصد کیا ہے؟ مسیحیت کے ایک مستند محقق کی زبانی سنیئے:-

''اس نظم کی تفسیروں کا ایک انبار ہے جن میں علماء کے درمیان اسکے اصل معانی اور مقصد پر کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ بے حجابانہ عشقیہ گیت' مذہبی موضوعات کا فقدان' واقعہ نگاری کی بے ترتیبی ایسے امور ہیں جو عالموں کیلئے ایک چیلنج اور خیالات کے گھوڑے دوڑانے کیلئے ایک کھلا میدان ہیں''

(قاموس الکتاب ص:۶۸۴)

بعض عیسائی علماء کی تحقیق یہ ہے:-

''نشید الاناشید یا غنائے سلیمانی کا الہامی مصنف صوفیانہ طور پر دلہے اور دلہن کی عشقیہ گفتگو کی تمثیل سے خداوند متعال اور امتِ اسرائیل کے عقدِ روحانی کی بحالی کا بیان کرتا ہے۔ اور اسی میں پھر کنایتاً مسیح اور کلیسیا کے عمدہ اتفاق کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ بعض روحانی مصنفین ان باتوں کے علاوہ اس کتاب میں کامل ارواح اور خصوصاً خاتونِ مبارک مقدسہ مریم کنواری کے ساتھ خدائے مہربان کے ناقابل بیان وصال کا ذکر پاتے ہیں''

(کیتھولک اردو بائبل ص۔۸۳۸)

ہر عقلمند آدمی ان محققین سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر ان نظموں میں خدا اور اسرائیل 'یا مسیح اور کلیسیا' یا کنواری مریم اور خدا کے درمیان ''عقد روحانی'' اور ''نا قابل بیان وصال'' کو ظاہر کرنا ہے تو اسکے لئے ایسی پر شہوت تشبیہات استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ''نا قابل بیان وصال'' کو بیان کرنے کا یہی انداز ہونا چاہیئے؟ یہی وجہ ہے بہت سے عیسائی فضلاء اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان آیات میں نہ کوئی سبق ہے نہ تمثیل۔ ایک فاضل کے بقول:۔

We cannot imgagine a prophet or religious poet using this sensuous imagery in detail to express such relation.

(Peake's commentary.p.418.)

''ہم کسی نبی یا مذہبی شاعر کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتے کہ (وہ خدا اور مریم' یا مسیح اور کلیسیا' یا خدا اور اسرائیل کا پاکیزہ) تعلق ظاہر کرنے کیلئے اس تفصیل کیساتھ پر شہوت تشبیہات استعمال کرے''

معزز قارئین! اصل حقیقت جسکا مسیحیوں نے ہی سراغ لگایا ہے اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے کہ یہ تموز دیوتا (حزقی ایل ۸:۱۴) کی پرستش کرنے والے مشرکوں کے گیت ہیں جو انکی مذہبی رسومات میں پڑھے جاتے تھے۔ بائبل کے مصنفین نے ایک بت پرستانہ دین کے مذہبی گیتوں کو جن میں حرامکاری کا نمایاں تصور پایا جاتا تھا جوں کا توں اٹھا کر کتب مقدسہ میں شامل کر لیا ہے۔ ایک مسیحی عالم ''ٹی۔ جے میک'' کا یہی خیال ہے اور ایک دوسرے عالم ''واٹرمین'' نے بنیادی طور پر اس نظریہ کی حمایت کی ہے۔ (قاموس الکتاب ص ۶۸۵)

آٹھ یا اٹھارہ

بائبل میں ایک جگہ یہوداہ کی سلطنت کے آخری بادشاہ سے پہلے بادشاہ یہویاکین کے بارے میں اس طرح بتایا گیا ہے۔

''اور یہویا کین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلیم میں اس نے تین مہینے سلطنت کی''

(۲۔سلاطین ۲۴:۸)

مگر دوسری جگہ یہ کہا گیا ہے۔

''یہویا کین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے تین مہینے دس دن یروشلیم میں سلطنت کی''

(۲۔تواریخ ۳۶:۹)

ملاحظہ فرمایئے! اٹھارہ اور آٹھ میں کتنا کھلا تضاد ہے۔ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہوسکتیں چنانچہ آٹھ برس کے بارے میں پیک کی تفسیر میں لکھا ہے:

''An abvious error-یعنی یہ ''واضح طور پر غلط ہے''

(Peake,s Commentary p.313.)

پوچھنا یہ ہے کہ وہ خدا کا کلام ہی کیا ہوا جس میں غلطیوں کا اعتراف کیا جائے؟ پھر رُوح القدس کی راہنمائی کا کیا فائدہ جس نے نہ خود اصلاح کی اور نہ مصنف کو خلاف واقعہ لکھنے سے روکا اور ایسے الہام سے کیا حاصل جو درست معلومات کا ضامن نہ ہو۔

ایک اور مسیحی فاضل کا معصومانہ ارشاد سنیئے :-

''۲۔سلاطین کے مطابق جب وہ تخت نشین ہوا تو ۱۸ برس کا تھا لیکن ۲۔تواریخ ۳۶:۹ کے مطابق وہ اس وقت آٹھ سال کا تھا۔یہ سہو کاتب ہوگا غالباً کسی ابتدائی کاتب نے دونوں کتابوں کو نقل کرتے وقت غلطی سے ایسے لکھ دیا ہوگا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۔سلاطین کا بیان درست ہے''

(قاموس الکتاب ص ۱۱۹۱)

اس یگانہ روزگار محقق کو یہ خبر نہیں کہ سہو کاتب اس طرح کا نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو ایک آدھ نسخہ میں ہوتا ہے اور اسے بھی مسلسل جاری نہیں رکھا جاتا بلکہ درست کر دیا جاتا ہے۔یہ ایسا ''سہو کاتب'' ہے جو اردو فارسی انگریزی بائبل کے لاتعداد نسخوں میں ہزاروں سال سے چلا آرہا ہے کروڑوں مسیحی اس غلطی والے کلام کو الہامی اور کلام الٰہی سمجھ کر بڑی عقیدت مندی سے پڑھے جارہے ہیں انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس کتاب میں کاتبوں کا بے شمار سہو بھی

شامل ہے۔ مزید قابل غور بات یہ ہے کہ جن کتابوں کے مصنفین کا اتہ پتہ نہ ہو انکے بارے میں بے چارے کاتب کو سہو و غلطی کا الزام دیکر کیوں پیٹا جاتا ہے؟ اسی کتاب سلاطین کے متعلق لکھا ہے۔

''سلاطین کی کتب کا انسانی مصنف نامعلوم ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کا بیشتر حصہ دستاویزات کی بنا پر رُوح القدس کی راہنمائی سے تالیف کیا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان دو کتابوں کا کوئی کاہن مصنف ہے' لیکن برگشتہ شمالی بادشاہت میں کہاں کوئی ایسا کاہن ہوگا؟ ممکن ہے کہ کسی نبی نے ان کتابوں کو لکھا ہو۔ اگر ان کتب کا کوئی کاہن مؤلف تھا تو ممکن ہے کہ وہ عزرا ہو اور اگر کسی نبی نے انہیں تالیف کیا تو ہو سکتا ہے کہ یا تو حزقی ایل یا پھر یرمیاہ ہو۔'' (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈ و نلڈ۔ ص ۱۹۳)

قارئین! انصاف سے بتائیں آپ کو پتہ چلا کہ ان کتابوں کا مصنف متعین طور پر کون ہے؟ جب اصل مصنف ہی مشخص طور پر معلوم نہیں تو تحریر کی ثقاہت اور صداقت کیسے معلوم کی جا سکتی ہے۔ دوسری طرف مسیحی حضرات کی عقلمندی بھی ملاحظہ فرمائیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمیں مصنفِ کتاب کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جو بھی ہے صاحب الہام ہے' رُوح القدس کا ہدایت یافتہ ہے اسکی لکھی ہوئی تحریر اپنی باتیں نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔

بھائی یا چچا

اسی یہویاکین بادشاہ کو جب بابل کے بادشاہ نبوکدنضر (بخت نصر) نے معزول کیا تو اسکی جگہ کس کو بادشاہ بنایا اس کے بارے میں ایک جگہ تو اس طرح آیا ہے

''اور اسکے بھائی صدقیاہ کو یہوداہ اور یروشلیم کا بادشاہ بنایا'' (۲۔تواریخ ۳۶:۱۰)

دوسری جگہ اسی واقعہ کو اسی تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یوں بتایا گیا ہے

''اور شاہ بابل نے اسکے باپ کے بھائی متنیاہ کو اسکی جگہ بادشاہ بنایا اور اس کا نام بدل کر صدقیاہ رکھا'' (۲۔سلاطین ۲۴:۱۷)

۲۔تواریخ کے مطابق یہویاکین کا بھائی بادشاہ بنا اور ۲۔سلاطین کے مطابق یہویاکین

کے باپ کا بھائی یعنی چچا بادشاہ بنا۔ دونوں بیانات درست اور سچے ہیں کیونکہ الہام سے رُوح القدس کی تائید کے ساتھ لکھے گئے ہیں تاہم لکھنے والا ''انسان'' معلوم نہیں وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے جہاں تک جی چاہے قیاس آرائی کرلیں۔ واقعی نامعلوم مصنفین کے الہامی علوم ایسے ہی علمی شگوفے کھلاتے ہیں۔

انوکھی بیوی

''اگر کئی بھائی ملکر ساتھ رہتے ہوں اور ایک اُن میں سے بے اولاد مرجائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اسکے شوہر کا بھائی اسکے پاس جاکر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اسکے ساتھ ادا کرے۔ اور اُس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے تاکہ اسکا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے۔ اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ کرنا نہ چاہے تو اسکی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ تب اسکے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر اسے سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اُس سے بیاہ کرنا منظور نہیں۔ تو اسکی بھاوج بزرگوں کے سامنے اسکے پاس جاکر اسکے پاؤں سے جوتی اتارے اور اسکے منہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائیگا۔ تب اسرائیلوں میں اُسکا نام یہ پڑ جائیگا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جسکی جوتی اتاری گئی تھی''

(استثناء: ۲۵:۵تا۱۰)

کیسا حکیمانہ حکم ہے جسے بہرصورت نافذالعمل کرنا ہے حتیٰ کہ اگر شوہر کا بھائی کسی وجہ سے بھاوج کیساتھ نکاح کرنے پر راضی نہ ہو تو اسے مجبور کیا جائے گا اور نہ ماننے کی صورت میں سارے لوگوں کے سامنے ذلیل کیا جائیگا۔ بھاوج بھرے مجمع میں اپنے مرحوم شوہر کے محترم بھائی کے منہ پر تھوکے گی جس کا جرم صرف یہی ہے کہ وہ مرنے والے کا بھائی ہے اگر بھائی نہ ہوتا تو یہ سزا نہ پاتا۔ پاؤں سے جوتی اتارنا بھی ایک عجیب وغریب فلسفہ ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر مرنے والے کی بیوی اندھی ہو یا کانی ہو یا لنگڑی ہو یا

بدشکل ہو یا بدمزاج' بداخلاق ہو یا اس میں اور کوئی عیب ہو تو ایسی عورت کو کون قبول کرسکتا ہے؟ مگر بائبل کے غیر منسوخ ابدی حکم کے مطابق اسے بہر صورت قبول کرنا لازمی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر دیور کے نکاح کرنے کے باوجود اولاد نہ ہو سکی تو پھر مرحوم بھائی کا نام باقی رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ تیسری بات یہ ہے کہ جب بچہ دیور کے جنسی تعلق سے پیدا ہوا تو وہ مرنے والے کے نام پر کیسے کہلائے گا اور اسکی طرف کیوں منسوب ہوگا؟ جب کہ مرحوم شخص حقیقت میں اسکا باپ ہی نہیں۔ بھائی کے نام کو زندہ رکھنے اور اسرائیل میں سے اسکا نام مٹنے سے بچانے کیلئے یہ عجیب وغریب الہامی ٹوٹکا ہے جسکے مفید ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

نقد بدلہ

''جب دو شخص آپس میں لڑتے ہوں اور ایک کی بیوی پاس جا کر اپنے شوہر کو اس آدمی کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے جو اُسے مارتا ہو اپنا ہاتھ بڑھائے اور اُسکی شرمگاہ کو پکڑ لے۔ تو تُو اسکا ہاتھ کاٹ ڈالنا اور ذرا ترس نہ کھانا''

(استثناء ۲۵:۱۱)

اس ''قانون'' کا ایک الہامی اور مذہبی کتاب میں مندرج ہونا مناسب ہے یا نہیں اسکا فیصلہ تو قارئین خود کرلیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کو بچانے کیلئے مجبوراً یہ ناشائستہ حرکت کر ہی لے تو کیا اس پر فوری طور پر سخت سزا دینا ایک لازمی امر ہے؟ زبانی تنبیہ کردینا کافی نہیں؟ پھر سزا کی معقولیت دیکھئے کہ اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ہمیشہ کیلئے معذور' لُنجا کردیا جائے۔ یہ سزا ہر صورت میں دینا ضروری ہے کیونکہ خداوند کا حکم ہے ''اور ذرا ترس نہ کھانا''۔ دشمن کے ہاتھوں مار کھانے والے شوہر کو چھڑانے کا یہ نیک صلہ اور نقد بدلہ دینے کی بے مثال تعلیم ہے۔

مردم شماری

حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ایک مرتبہ مردم شماری کرائی۔ یہ واقعہ ایک ہی تفصیل کے ساتھ بائبل میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے ایک جگہ تو اس طرح ہے:۔

''اسکے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا اور اُس نے داؤد کے دل کو انکے خلاف یہ کہہ کر اُبھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گن .... چنانچہ ساری مملکت میں گشت کر کے نو مہینے اور بیس دن کے بعد وہ یروشلیم کو لوٹے۔ اور یوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے جو شمشیر زن تھے اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔'' (۲ سموئیل ۲۴: ۱، ۸، ۹)

اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے

''اور یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی اور سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے۔'' (۱۔ تواریخ ۲۱: ۵)

ملاحظہ فرمایئے! کتاب سموئیل کے مطابق اسرائیل کے شمار کی کل میزان آٹھ لاکھ بہادر شمشیر زن مرد ہے اور یہوداہ کی پانچ لاکھ ہے۔ ساری مملکت میں نو مہینے بیس دن گشت کر کے سارے اسرائیل کی یہ کل تعداد سامنے آئی مگر تواریخ کے مطابق سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار تھے۔ دو الہامی بیانات میں ایسا کھلا تضاد ہے کہ کوئی توجیہ بن نہیں پاتی ایک بات یقینی طور پر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

سخت گناہ

جب حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ مردم شماری کر لی تو انکا دل بے چین ہوا کہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ بھی ان پر سخت ناراض ہوا جس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

''اور لوگوں کا شمار کرنے کے بعد داؤد کا دل بے چین ہوا اور داؤد نے خداوند سے کہا یہ جو میں نے کیا سو بڑا گناہ کیا۔ اب اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو اپنے بندہ کا گناہ دور کر دے کیونکہ مجھ سے بڑی حماقت

ہوئی۔ سو جب داؤد صبح کو اٹھا تو خداوند کا کلام جاد پر جو داؤد کا غیب بین تھا نازل ہوا اور اس نے کہا کہ۔ جا اور داؤد سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں تیرے سامنے تین بلائیں پیش کرتا ہوں۔ تو ان میں سے ایک کو چن لے تا کہ میں اسے تجھ پر نازل کروں'' (۲۔سموئیل ۲۴: ۱۰ تا ۱۲)

ایک سپہ سالار کا اپنے لشکر کی تعداد شماری کرنا کئی مصلحتوں کی بنا پر انتہائی مفید اور ضروری ہوتا ہے۔ متمدن معاشروں' ترقی یافتہ قوموں میں اسکی بڑی اہمیت ہے۔ اس کی بنیاد پر پوری منصوبہ بندی و حکمت عملی طے کی جاتی ہے اس عمل میں غرور و فخر کے بجائے حسنِ انتظام کا پہلو غالب ہے مگر خدا تعالیٰ اس پر سخت اظہارِ ناراضگی فرماتا ہے جسکی بظاہر کوئی معقول وجہ نہیں۔ ایک مفسر بڑی بے بسی کے ساتھ لکھتے ہیں:۔

It is useless to ask why a census was sinful.

(Peake's Commentary,p.293)

''یہ پوچھنا بے کار ہے کہ مردم شماری میں کیا گناہ تھا۔''

واقعی خدا تعالیٰ سے کوئی بات پوچھنا بے کار ہے وہ جو چاہے کرے اسکے کاموں کا کوئی ضابطہ و اصول نہیں ہے **نعوذباللہ** یاد رہے ۲۔ سموئیل ۲۴: ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہی بے چارے داؤد کو اِس گنتی و تعداد شماری پر ابھارا تھا اور خدا نے ہی سزا کے طور پر سخت وبا بھیجی جس سے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ حیرت کی بات ہے کہ گناہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر سزا ستر ہزار بے گناہ لوگوں کو ملی۔ کیا انصافِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے؟

قحط کے سال

مردم شماری کے اس ''جرمِ عظیم'' پر خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جو سزا دی اسکی تفصیل اس طرح آئی ہے

''سو جاد نے داؤد کے پاس جا کر اُسکو یہ بتایا اور اس سے پوچھا کیا تیرے ملک میں سات برس قحط رہے یا تو تین مہینے تک اپنے دشمنوں سے بھاگتا پھرے اور وہ تجھے رگیدیں یا تیری مملکت میں تین دن مری ہو؟ سو تو سوچ

لے اور غور کر لے کہ میں اُسے جس نے مجھے بھیجا ہے کیا جواب دوں"

(۲۔سموئیل ۲۴: ۱۳)

دوسرے الہام کے مطابق یوں ہے

"سو جاد نے داؤد کے پاس آکر اُس سے کہا خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو جسے چاہے اسے چن لے۔ یا تو قحط کے تین برس یا اپنے دشمنوں کے آگے تین مہینے تک ہلاک ہوتے رہنا ایسے حال میں کہ دشمنوں کی تلوار تجھ پر وار کرتی رہے یا تین دن خداوند کی تلوار یعنی ملک میں وبا رہے.........سو خداوند نے اسرائیل میں وبا بھیجی اور اسرائیل میں سے ستر ہزار آدمی مر گئے"

(۱۔تواریخ ۲۱: ۱۱)

غور فرمائیے! ایک جگہ قحط کی مدت سات برس اور دوسری جگہ تین برس بتائی جا رہی ہے۔ ان پریشان کن تضادات اور سر گھما دینے والے تناقضات کو سچے الہام یا وحی الٰہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

منگنی کا فارمولا

بائبل کی ایک کتاب "روت" ہے جو الہامی نوشتوں اور صحفِ مقدسہ کی مسلمہ کتابوں میں شامل ہے۔ یہودی ہر سال عیدِ پوریم کے موقع پر اسکی تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں ایک خاتون "نعومی" کی کہانی بیان کی گئی ہے جسکا بیٹا فوت ہو جانے پر اسکی بہو "روت" بیوہ ہوگئی۔ اس علاقہ میں "بوعز" نامی ایک زمیندار شخص انکا رشتہ دار تھا۔ روت بوعز کے کھیتوں میں خوشے چننے لگی۔ بوعز بھی اس پر کافی مہربان ہوا۔ نعومی نے چاہا کہ اسکی بہو روت کی بوعز سے شادی ہو جائے وہ بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ اسکی صلاح اور عملی تدبیر بتاتی ہے۔

"پھر اسکی ساس نعومی نے اس سے کہا میری بیٹی کیا میں تیرے آرام کی طالب نہ ہوں جس سے تیری بھلائی ہو؟۔ اور کیا بوعز ہمارا رشتہ دار نہیں جسکی چھوکریوں کے ساتھ تو تھی؟ دیکھ وہ آج کی رات کھلیان میں جو پھٹکیگا۔ سو تو نہا دھو کر خوشبو لگا اور اپنی پوشاک پہن اور کھلیان کو جا اور جب تک وہ مرد کھا پی نہ چکے تب تک تو اپنے تئیں اُس

پر ظاہر نہ کرنا۔ جب وہ لیٹ جائے تو اسکے لیٹنے کی جگہ کو دیکھ لینا۔ تب تو اندر جا کر اور اسکے پاؤں کھولکر لیٹ جانا اور جو کچھ تجھے کرنا مناسب ہے وہ تجھ کو بتائیگا۔ اس نے اپنی ساس سے کہا جو کچھ تُو مجھ سے کہتی ہے وہ سب میں کرونگی۔ سو وہ کھلیہان کو گئی اور جو کچھ اسکی ساس نے حکم دیا تھا وہ سب کیا۔ اور جب بوعز کھا پی چکا اور اسکا دل خوش ہوا تو وہ غلہ کے ڈھیر کی ایک طرف جا کر لیٹ گیا۔ تب وہ چپکے چپکے آئی اور اسکے پاؤں کھول کر لیٹ گئی۔ اور آدھی رات کو ایسا ہوا کہ وہ مرد ڈر گیا اور اس نے کروٹ لی اور دیکھا کہ ایک عورت اسکے پاؤں کے پاس پڑی ہے۔ تب اس نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تیری لونڈی روت ہوں.........سو وہ صبح تک اسکے پاؤں کے پاس لیٹی رہی اور پیشتر اس سے کہ کوئی ایک دوسرے کو پہچان سکے اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اس نے کہہ دیا تھا کہ یہ ظاہر ہونے نہ پائے کہ کھلیہان میں یہ عورت آئی تھی۔ پھر اس نے کہا اس چادر کو جو تیرے اوپر ہے لا اور اسے تھامے رہ۔ جب اس نے اسے تھاما تو اس نے جَو کے چھ پیمانے ناپ کر اس پر لاد دیئے۔''

(روت۔ باب ۳)

ملاحظہ فرمایئے! کسی شخص سے شادی کرنے کیلئے پیغام بھیجنے اور منگنی کرنے کا کیسا نادر فارمولا ہے جو کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ نعومی نے کتنی ''اچھی'' تجویز دی اور وفادار/اطاعت شعار بہو نے کیسی خوبی کے ساتھ اس پر عمل کیا۔ ایک مسیحی فاضل منگنی کی رسم اور ساتھی کے انتخاب کے متعلق لکھتا ہے:۔

''کبھی کبھی لڑکی کے والدین بھی موزوں آدمی کا چناؤ کرتے ہیں جیسے روت کی ساس نے کیا''

(قاموس الکتاب۔ص۔۵۵۹)

کسی لڑکی کا باقاعدہ شادی سے قبل اس بے باکی و بے حیائی کے ساتھ کسی مرد سے ہم بستر/ہم آغوش ہو جانا تا کہ وہ شادی کر لے ہر معقول شخص کے نزدیک انتہائی بے ہودہ گندی حرکت ہے۔ بائبل کا مفسر میتھیو ہینری بڑی صاف گوئی سے لکھتا ہے۔

''بوعز کے سوتے میں روت کا آ کر اسکی ٹانگوں میں لیٹ جانا ایک ایسی برائی نظر آئی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح جائز قرار دیں۔ سارے متفق ہیں کہ اسے نمونہ نہیں بنانا چاہیئے''

(تفسیر الکتاب۔ج۔ا۔ص ۶۵۴)

ایک دوسرا مفسر بائبل ولیم میکڈونلڈ اپنے حسن ذوق کی بنا پر عذر تراشی کرتے ہوئے

کہتا ہے۔

''جب بوعز کام ختم کر کے کھانا کھانے کے بعد لیٹ گیا تو روت اسکے کمبل کے نیچے اسکے پاؤں کے پاس لیٹ گئی۔گو یہ ہمارے معاشرے کے مطابق درست معلوم نہ ہو' تاہم یہ اس دور کی ایک مسلمہ روایت تھی (دیکھیں حزقی ایل ۱۶:۸) تاہم اس میں ایسی کوئی برائی یا معنی خیز بات نہ تھی''

(تفسیر الکتاب۔ص۹۹)

بائبل بتاتی ہے کہ اسی بوعز اور روت کی نسل سے تیسری پشت میں حضرت داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے ۔ (روت۴:۲۲) اور اسی سلسلہء نسل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے (متی ۱:۵' لوقا ۳:۳۲) روت صاحبہ حضرت داؤد علیہ السلام کی پڑدادی لگتی ہیں اور بوعز پڑدادا بنتا ہے۔فیصلہ کیجئے کہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عظیم المرتبت پیغمبر کے آباؤ اجداد اسی ''کردار'' کے مالک تھے؟ اللہ کی قسم یہ سب من گھڑت باتیں اور ناجائز تہمتیں ہیں۔خود مسیحی محققین کو بھی اسکا اعتراف ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''روت کی کتاب نقادوں کیلئے ایک معمہ ہے کیونکہ ایوب کی طرح اس میں بھی مصنف کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا'' (قاموس الکتاب۔ص۴۴۳)

دوسری جگہ لکھا ہے:۔

''یہ کتاب قضات کے زمانہ کا ایک وقوعہ بیان کرتی ہے۔اسکا مصنف نامعلوم ہے''

(کیتھولک اردو بائبل۔ص۳۲۰)

یہ کتنی بے انصافی ہوگی کہ ہم نامعلوم آدمی کے کہنے پر حضرت داؤد و عیسیٰ علیہم السلام کی شرافتِ نسب پر اتنا سنگین الزام دھر دیں **نعوذباللہ من ذالک**

بھیڑ بکریوں کے بچے

حضرت یعقوب علیہ السلام تمام بنی اسرائیل (یہودی اور مسیحی قوم) کے جدامجد' عمری خاندان کے سربراہ اور عظیم پیغمبر ہیں۔بائبل انکے کردار پر طرح طرح سے روشنی ڈالتی ہے

کبھی وہ اپنے بھائی عیسو کا حق مار کر دھوکے سے حضرت اسحٰق علیہ السلام (اضحاق) کی دعا و برکت لے جاتے ہیں (پیدائش ۔ باب ۲۷) کبھی وہ لابن کی بیٹیوں سے شادی کی خاطر طرح طرح سے پاپڑ بیلتے نظر آتے ہیں (پیدائش ۔ باب ۲۹) اور آخر کار دو حقیقی، سگی بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں جمع کر لیتے ہیں حالانکہ توریت میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے (احبار ۱۸:۱۸) کبھی وہ خدا سے کشتی میں کامیاب بہادر دکھائی دیتے ہیں (پیدائش ۳۲:۲۸) ایک جگہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں انکی مشغولیت اس طرح بتائی گئی ہے:۔

''اور یعقوب نے سفیدہ اور بادام اور چنار کی ہری ہری چھڑیاں لیں اور انکو چھیل چھیل کر اس طرح گنڈیدار بنالیا کہ ان چھڑیوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ اور اس نے وہ گنڈیدار چھڑیاں بھیڑ بکریوں کے سامنے حوضوں اور نالیوں میں جہاں وہ پانی پینے آتی تھیں کھڑی کردیں اور جب وہ پانی پینے آئیں سو گابھن ہوگئیں۔ اور ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہونے کی وجہ سے انہوں نے دھاریدار چتلے اور ابلق بچے دیے۔ اور یعقوب نے بھیڑ بکریوں کے ان بچوں کو الگ کیا اور لابن کی بھیڑ بکریوں کے منہ دھاریدار اور کالے بچوں کی طرف پھیر دیے اور اس نے اپنے ریوڑوں کو جدا کیا اور لابن کی بھیڑ بکریوں میں ملنے نہ دیا۔ اور جب مضبوط بھیڑ بکریاں گابھن ہوتی تھیں تو یعقوب چھڑیوں کو نالیوں میں انکی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا تھا تاکہ وہ ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہوں۔ پر جب بھیڑ بکریاں دبلی ہوتیں تو وہ انکو وہاں نہیں رکھتا تھا۔ سو دبلی تو لابن کی رہیں اور مضبوط یعقوب کی ہوگئیں۔ چنانچہ وہ نہایت بڑھتا گیا اور اسکے پاس بہت سے ریوڑ اور لونڈیاں اور نوکر چاکر اور اونٹ اور گدھے ہوگئے''

(پیدائش ۳۰:۳۷)

غور کیجئے اور بار بار سوچئے کہ یہ باتیں عقل و فکر کی میزان پر کہاں تک درست بیٹھتی ہیں۔ ساری دنیا کا مشاہدہ ہے کہ اولاد رنگ و روپ، صورت و شکل میں اپنے ماں باپ، آباؤ اجداد کے مشابہ اور انکے ہم رنگ ہوتی ہے۔ یہ بالکل انوکھا تجربہ ہے کہ چھڑیوں کے آگے گابھن ہونے کی وجہ سے انہوں نے دھاری و خط دار، داغی و دو رنگ بچے دیے یعنی سامنے کھڑی ہوئی لکڑیوں کو دیکھنے کا اثر حاملہ جانور کے بچے پر یہ ہوا کہ وہ بھی اس کا ہم رنگ ہوگیا۔ کیا کوئی عقلمند شخص اسکا تصور کر سکتا ہے؟ اگر بائبل کے اس الہامی اصول کو مان لیا جائے تو پھر

موسم بہار میں پیدا ہونے والے تمام بچوں کا رنگ سبز ہونا چاہیئے۔

میتھیو ہینری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''اس نے چھڑیاں لیں۔ انکو چھیل چھیل کر گنڈی دار بنایا اور ان حوضوں میں رکھ دیا جہاں بھیڑ بکریاں پانی پیتی تھیں تاکہ تصور کی طاقت سے وہ دھاریدار اور ابلق بچے دیں۔ ہو سکتا ہے کنعان کے چرواہے یہ طریقہ عام استعمال کرتے ہوں'' (تفسیر الکتاب۔ ج ا۔ ص ۱۱۸)

بہت خوب! یہ تصور کی معجزانہ طاقت بھی عجیب مخفی قوت ہے جو جانوروں کے پیٹ میں پوشیدہ بچوں پر اثر انداز ہو کر انکا رنگ تک بدل دیتی ہے۔ اور فن کا کمال دیکھئے کہ زمانہ قدیم میں غیر ترقی یافتہ دور کے چرواہے یہ ''طریقہ'' عام استعمال کرتے تھے۔

ولیم میکڈونلڈ اس آیت کے ذیل میں لکھتا ہے:۔

''یا یہ یعقوب کی چالاکی ہو سکتی ہے۔ اس بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ مطلوبہ نسل کشی کے کچھ سائنسی اصولوں سے واقف تھا۔ بڑی محتاط نسل کشی سے اس نے نہ صرف دھاری دار بچے پیدا کروائے' بلکہ اپنے لئے مضبوط اور لابن کے لئے کمزور جانور پیدا کروائے'' (تفسیر الکتاب۔ ص ۸۲)

جی ہاں! ایسے عظیم لوگ چالاکی نہیں کرینگے تو اور کون کرے گا؟ چالاکی دنیا کی معمولی سی چیز بھیڑ بکریوں کے بڑھانے کیلئے' اور وہ بھی اپنے والدِ نسبتی (لابن) کیساتھ' کہ سائنسی اصولوں سے واقفیت پا کر اپنا ریوڑ بڑھا لیا اور سسرِ محترم ماموں جان کیلئے کمزور جانور پیدا کروائے۔ یہ بھی بتا دیا جائے کہ بائبل میں یہ الہامی واقعہ درج کر کے ہدایت وروحانیت کا کون سا سبق دینا منظور ہے؟

بے اولاد کی اولاد

بائبل بتاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک بیوی ''میکل'' تھی جو حضرت داؤد علیہ السلام کو چاہتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اسکے حاصل کرنے کیلئے بڑی قربانی دی۔ میکل کے

والد ''ساؤل'' نے اپنی بیٹی کی شادی کے بدلے فلستیوں کی سو کھلڑیوں (اعضاء تناسل) کا مطالبہ کیا تھا مگر انہوں نے سسر کے مطالبے پر دو سو فلستیوں کو قتل کیا' انکے اعضاء تناسل (کھلڑیاں) کاٹ کر حق مہر کی جگہ پیش کیئے (۱۔سموئیل ۱۸: ۲۵) تب جا کر شادی ہوئی ۔یاد رہے کہ بائبل یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فوجی جرنیل کی بیوی جو انکی پڑوسن تھی اس سے زنا کیا پھر اس جرنیل کو مروا دیا اور اس عورت سے شادی کر لی (۲۔سموئیل ۱۱: ۲) پھر اسی عورت کے بطن مبارک سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے (۲۔سموئیل ۱۲: ۲۴) اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے ابی سلوم نے سب بنی اسرائیل کے سامنے اپنے باپ کی بیویوں سے زنا کیا (۲۔سموئیل ۱۶: ۲۲) اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے امنون نے اپنی بہن تمر سے زنا کیا (۲۔سموئیل ۱۳: ۱) ایسا لگتا ہے کہ تمام گھرانہ ہی زانیوں کا تھا **نعوذباللہ من ذالک** ایک موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام لوگوں کے سامنے برہنہ ناچنے کودنے لگے تم میکل نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کے بادشاہ داؤد نے آج کے دن اپنے ملازموں کی لونڈیوں کے سامنے اپنے کو برہنہ کیا جیسے کوئی بانکا بے حیائی سے برہنہ ہو جاتا ہے **نعوذباللہ** (۲۔سموئیل ۶: ۲۰) اس پر اسے سزا ملی اور وہ اپنے تنقیدی رویے کی وجہ سے مرتے دم تک بانجھ پن کا شکار رہی (تفسیر الکتاب۔ولیم میکڈونلڈ۔ص ۱۶۰) بائبل میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

''سوساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی'' (۲۔سموئیل ۶: ۲۳)

مگر اسی کتاب کے باب ۲۱ آیت ۸ میں ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچ بیٹوں کا ذکر ہے۔ گویا ایک عورت مرتے دم تک بے اولاد رہی مگر اسکے پانچ بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ یہ صریح غلطی اور کھلا تضاد ہے۔ اسے سہو کاتب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کاتب کے سہو کی اصلاح کر دی جاتی ہے نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میکل کی بڑی بہن میرب کے پانچ بیٹے تھے کیونکہ

بائبل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر آپ جاننا چاہیں کہ اس متضاد مواد' غلط سلط باتوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے پر ناجائز تہمتوں پر مبنی اس کتابِ سموئیل کا لکھنے لکھانے والا کون ہے تو اسکی تحقیق یہ ہے:۔

''مصنف یا مصنفوں کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔ ۱۔تواریخ ۲۹:۲۹ سے ظاہر ہے کہ اسے سموئیل' ناتن اور جاد کی مشترک تصنیف کہا جاسکتا ہے'' (قاموس الکتاب۔ص ۵۴۱)

ایک دوسرے محقق مفسرِ بائبل نے بڑی کھوج لگا کر یہ انکشاف کیا ہے

''گو یہودی روایت کے مطابق سموئیل کی کتاب جو دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے کا سموئیل ہی مصنف ہے' لیکن اس کا اطلاق صرف ان واقعات پر ہوتا ہے جو اسکے جیتے جی وقوع پذیر ہوئے۔ ان کتابوں میں زیادہ تر مواد کا تعلق نبی کی موت کے بعد کے وقت سے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نوجوان نبی نے جس نے سموئیل کے زیرِ سایہ تعلیم پائی' اس کتاب کو لکھا ہو اور اس میں اپنے استاد کی تعلیمات کو بھی شامل کیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابیاتر کاہن جو دستاویزات کو جمع کرنے کا عادی تھا اس نے کتاب کی تالیف کی ہو۔ اسکا داؤد کی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق تھا' بلکہ اس نے جلاوطنی میں بھی اسکے ساتھ وقت گزارا''

تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ ص ۱۰۴)

قارئین! خود سوچیے! نامعلوم لوگوں کا جمع کردہ پلندہ کہاں تک قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے؟ کیا آپ اسے الہامی ماننے کیلئے تیار ہیں؟

حسنِ انتخاب

بائبل میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک پیغمبر کو شادی کیلئے موزوں رشتے کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں۔

''خداوند کا کلام ہوسیع بن بیری پر نازل ہوا۔ جب خداوند نے شروع میں ہوسیع کی معرفت کلام کیا تو اسکو فرمایا کہ جا ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد اپنے لئے لے کیونکہ ملک نے خداوند کو چھوڑ کر بڑی بدکاری کی ہے۔ پس اس نے جا کر جُمر بنتِ دبلائم کو لیا۔ وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا پیدا ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔خداوند نے مجھے فرمایا جا اس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہے محبت رکھ'' (ہوسیع ۱:۲'۳:۱)

مذکورہ بالا الہام وکلام کوئی خواب یا فرضی تمثیل نہیں بلکہ ایک سچا واقعہ ہے اور سنجیدگی کے ساتھ دیا گیا حکم ہے جسے ایک حقیقت کے طور پر باقاعدہ عمل میں لایا گیا ہے۔

مسیحی علماء لکھتے ہیں:۔

''ابواب ۱ تا ۳ مختلف تفسیروں کی آماجگاہ بنے رہے ہیں۔ ہوسیع کے بیاہ کو ایک رویا' ایک تمثیل اور ایک تاریخی حقیقت کے طور پر سمجھا گیا ہے۔ آخری خیال اپنی صداقت کی دلیل خود ہی ہے۔ جمر بنت دبلائم کا تمثیل سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر جذبہ کی جس شدت کا اظہار کتاب میں پایا جاتا ہے وہ کسی حقیقی تجربہ کا نتیجہ ہی ہوسکتا ہے۔ اُس کا کسی تمثیل میں تحقیق کرنا ممکن نہیں ہے'' (قاموس الکتاب۔ ص ۱۰۸۷)

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو تمام صفات کمال کا جامع اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔ اوصاف حمیدہ' اخلاق فاضلہ غیرت وحیا کا حکم دینے والا ہے وہ اپنے ایک مقبول بندے عظیم نبی کو ایسا حکم دے .... قطعاً نہیں اسکا حکم تو یہ ہے

''جو ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے'' (احبار ۲۱:۱۴)

بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ناپاک' فاحشہ وبدکار عورت سے کوئی عام درجے کا شریف آدمی بھی تعلق رکھنا گوارا نہیں کرتا۔ یاد رہے کہ ہوسیع کی کتاب کا مصنف کون ہے؟ سنِ تصنیف کیا ہے؟ وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ (قاموس الکتاب۔ ص ۱۰۸۶)

تاریخ نویسی

بائبل کی دو الہامی کتابیں عزرا اور نحمیاہ کے نام سے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں یہودی تاریخ کے اہم واقعات پر مشتمل ہیں جنہیں محض تاریخی معلومات کہہ سکتے ہیں۔ انسانیت کی ہدایت وفلاح سے انکا کوئی تعلق نہیں۔ معلوم نہیں رُوح القدس نے ان عام سی باتوں کو اتنے اہتمام سے لکھوانے کی زحمت کیوں فرمائی؟ مزید یہ کہ دونوں کتابوں کا مواد تقریباً ایک ہے۔ ایک الہامی کتاب میں ایسے بے فائدہ تکرار کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال دونوں

کتابوں میں بابل کی اسیری سے رہائی پانے والے یہودیوں کے متعلق جو تفصیل آئی ہے وہ اس طرح ہے۔

''ملک کے جن لوگوں کو شاہ بابل بنوکدنضر بابل کو لے گیا تھا ان اسیروں کی اسیری میں سے وہ جو نکل آئے اور یروشلیم اور یہوداہ میں اپنے اپنے شہر کو واپس آئے یہ ہیں۔ وہ زربابل۔ یشوع۔ نحمیاہ۔ سرایا۔ رعلایاہ۔ مردکی بلشان۔ مسفار۔ بگوی۔ رحوم اور بعنہ کے ساتھ آئے۔ اسرائیلی قوم کے مردوں کا یہ شمار ہے۔ بنی پرعوس دو ہزار ایک سو بہتر۔ بنی سفطیاہ تین سو بہتر۔ بنی ارخ سات سو پچھتر۔ بنی پخت موآب جو یشوع اور یوآب کی اولاد میں سے تھے دو ہزار آٹھ سو بارہ۔ بنی عیلام ایک ہزار دو سو چون۔ بنی زتو نو سو پینتالیس۔ بنی زکی سات سو ساٹھ۔ بنی بانی چھ سو بیالیس۔ بنی ببی چھ سو تیئیس۔ بنی عزجاد ایک ہزار دو سو بائیس۔ بنی ادونقام چھ سو چھیاسٹھ۔ بنی بگوی دو ہزار چھپن۔ بنی عدین چار سو چون۔ بنی اطیر حزقیاہ کے گھرانے کے اٹھانوے۔ بنی بضی تین سو تیئیس۔ بنی یورہ ایک سو بارہ۔ بنی حاشوم دو سو تیئیس۔ بنی جبار پچانوے۔ بنی بیت لحم ایک سو تیئیس۔ اہل نطوفہ چھپن۔ اہل عنتوت ایک سو اٹھائیس۔ بنی عزماوت بیالیس۔ قریت عریم اور کفیرہ اور بیروت کے لوگ سات سو تینتالیس۔ رامہ اور جبع کے لوگ چھ سو اکیس۔ اہل مکماس ایک سو بائیس بیت ایل اور عی کے لوگ دو سو تیئیس۔''

(عزرا۔ باب ۲:۱)

یہی مضمون دوسری جگہ یوں آیا ہے

''ملک کے جن لوگوں کو شاہ بابل بنوکدنضر بابل کو لے گیا تھا ان اسیروں کی اسیری میں سے وہ جو نکل آئے اور یروشلیم اور یہوداہ میں اپنے اپنے شہر کو گئے یہ ہیں۔ جو زربابل یشوع نحمیاہ عزریاہ رعمیاہ نحمانی مردکی بلشان مسفرت بگوی نحوم اور بعنہ کے ساتھ آئے تھے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں کا شمار یہ تھا۔ بنی پرعوس دو ہزار ایک سو بہتر۔ بنی سفطیاہ تین سو بہتر۔ بنی ارخ چھ سو باون۔ بنی پخت موآب جو یشوع اور یوآب کی نسل میں سے تھے دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ۔ بنی عیلام ایک ہزار دو سو چون۔ بنی زتو آٹھ سو پینتالیس۔ بنی زکی سات سو ساٹھ۔ بنی بنوی چھ سو اڑتالیس۔ بنی ببی چھ سو اٹھائیس۔ بنی عزجاد دو ہزار تین سو بائیس۔ بنی اُدونقام چھ سو سڑسٹھ۔ بنی بگوی دو ہزار سڑسٹھ۔ بنی عدین چھ سو پچپن۔ حزقیاہ کے خاندان میں سے بنی اطیر اٹھانوے۔ بنی حشوم تین سو اٹھائیس۔ بنی بضی تین سو چوبیس۔ بنی خارف ایک سو بارہ۔ بنی جبعون پچانوے۔ بیت لحم اور نطوفہ کے لوگ ایک سو اٹھاسی۔ عنتوت کے لوگ ایک سو اٹھائیس۔ بیت عزماوت کے لوگ بیالیس۔ قریت یعریم کفیرہ او بیروت کے لوگ سات سو تینتالیس۔ رامہ اور جبع کے لوگ چھ سو اکیس۔ مکماس کے لوگ ایک سو بائیس۔ بیت ایل اور عی کے لوگ

ایک سوئیس۔ (نحمیاہ۔باب ۷:۶)

ایک ہی واقعہ کوذکر کرتے ہوئے دونوں کتابوں میں جو تضادات ہیں انکا خلاصہ یہ ہے۔

نمبر شمار	عزرا	نحمیاہ
۱	بنی ارخ =۷۷۵۔	بنی ارخ =۶۵۲۔
۲	بنی پخت =۲۸۱۲۔	بنی پخت =۲۸۱۸۔
۳	بنی زتو =۹۴۵۔	بنی زتو =۸۴۵۔
۴	بنی عزجاد =۱۲۲۲۔	بنی عزجاد =۲۳۲۲۔
۵	بنی بگوی =۲۰۵۶۔	بنی بگوی =۲۰۶۷۔
۶	بنی عدین =۴۵۴۔	بنی عدین =۶۵۵۔
۷	بنی حاشوم =۲۲۳۔	بنی حشوم =۳۲۸۔
۸	بیت ایل اور عی =۲۲۳۔	بیت ایل اور عی =۱۲۳۔

قارئین کرام! ہم نے اختصار کی وجہ سے یہ چند تضادات گنوائے ہیں ورنہ اور بھی بہت ہیں جو دیکھنے سے بآسانی معلوم ہوسکتے ہیں۔ بائبل کے بعض مفسرین ان پر آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں اور بعض طفلانہ تسلی کے طور پر بالکل لایعنی تاویلات کرتے ہیں اور اس میں اِن بے چاروں کا کوئی قصور نہیں کیونکہ پہلی کتاب کا مصنف گمنام ہے' عزرا (حضرت عزیر علیہ السلام) کی طرف اسکی نسبت ظنی ہے اور دوسری کتاب کا مصنف غالباً فارس میں پیدا ہوا تھا' بادشاہ کا ساقی تھا اس سے زیادہ اسکا پس منظر معلوم نہیں (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ص ۳۸۷) ان کھلے تضادات کے باوجود مسیحی مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ

"یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک پورا کتب خانہ ہے (پرانے عہدنامہ میں ۳۹ کتابیں ہیں اور نئے عہدنامہ

میں ۲۷) یہ پاک رُوح کی ہدایت سے ۱۵۰۰ سال کے دوران خدا کے تقریباً ۴۴ بندوں کی معرفت قلم بند ہوئی۔ چونکہ اس کا اصل مصنف خدا خود ہے اس لئے پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک اسمیں ایک عجیب وحدت نظر آتی ہے''

(مقدمہ قاموس الکتاب۔ صفحہ ''ی'')

دوسرا فاضل لکھتا ہے

''پاک نوشتے ہی حرف آخر ہیں۔ ایک صحیفہ دوسرے صحیفے کی کبھی تردید نہیں بلکہ تفسیر کرتا ہے''

(ہماری کتب مقدسہ۔ جی۔ ٹی۔ مینلی۔ ص ۳۴)

یہی محقق دوسری جگہ لکھتا ہے

''بیشک بعض اصحاب نے یہ نتیجہ نکالا کہ بائبل بے خطا نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خطا کار انسان کے ہاتھ سے لکھی گئی۔ لیکن یہ خیال قابل قبول نہیں کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ خدا ان مصنفین کو غلطی کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے کہ موجودہ تراجم میں کچھ غلطیاں اور خامیاں نظر آتی ہیں کیونکہ اس خیال کا اطلاق اصلی نسخہ پر نہیں ہو سکتا''

(ہماری کتب مقدسہ۔ جی۔ ٹی۔ مینلی۔ ص۔ ۳۶)

اے کاش اس ''اصلی نسخہ'' کی اشاعتِ عام ہوجائے' اس کا اغلاط سے پاک درست ترجمہ کردیا جائے اور مسیحیوں کے بقول دو ہزار زبانوں میں پھیلے ہوئے غلط سلط تراجم ''بدعت'' قرار دیکر بند کردیے جائیں۔ مگر ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اصلی نسخہ میں بھی متن کئی مقامات پر ''دھندلا'' ہے۔ گڈ نیوز انگریزی بائبل (Good News Bible Revised Edition) میں توریت کے جن دھندلے مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ ایک درجن سے زائد ہیں۔ مسیحی مترجمین ان مقامات کے متعلق اپنی تحقیقی رائے کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ ''عبرانی متن دھندلا' مبہم' مشکوک' غیر یقینی ہے'' اور صاف لکھتے ہیں ''Hebrew is unclear''۔ ہے کوئی جو مسیحیت کی بے چارگی کا اندازہ کر سکے؟

سات سو یا سات ہزار

بائبل میں ایک جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کی فتوحات کے حوالے سے اس طرح آیا ہے:-

''اور ارامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے اور انکی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مر گیا'' (۲۔سموئیل ۱۰:۱۸)

دوسری جگہ اسی واقعہ کی تفصیل یوں آئی ہے

''اور ارامی اسرائیل کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مارا اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا'' (۱۔تواریخ ۱۹:۱۸)

ملاحظہ فرمایئے! ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ سات سو رتھوں (گاڑیوں) کے آدمی قتل کیے اور دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ سات ہزار آدمی قتل کیے۔ ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ چالیس ہزار سوار قتل کیے جبکہ دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ چالیس ہزار پیادوں کو مارا۔ الہامی کلام میں ایسے کھلے تضادات کی کہاں تک گنجائش ہے؟

دو ہزار یا تین ہزار

بائبل بتاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا گھر بنایا اور تیرہ سال میں اس شاہی محل کی تعمیر کو مکمل کیا اسکی تفصیل بھی دی گئی ہے (۱۔سلاطین ۷:۱) جس شخص کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں ہوں (۱۔سلاطین ۱۱:۳) اسکے لئے اس طرح کا مکان بنانا اور اپنی زندگی کے تیرہ قیمتی سال اس پر صَرف کرنا کوئی باعثِ تعجب نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کیلئے زیادہ شادیاں کرنا ممنوع تھا (استثناء ۱۷:۱۷) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بھی تعمیر کیا' بڑے بڑے ستون بنائے' ایک بڑا حوض بھی بنایا جسکے بارے میں اس طرح بتایا گیا ہے

''اور دَل اسکا چار انگل تھا اور اُسکا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح گل سوسن کی مانند تھا اور اس میں دو ہزار بت

کی سمائی تھی"　　(۱۔سلاطین ۷:۲۶)

دوسری جگہ ان تعمیرات کو ذکر کرتے ہوئے اسی حوض کی تفصیل اس طرح آئی ہے۔

"اسکی موٹائی چار انگل کی تھی اور اسکا کنارہ پیالے کے کنارے کی طرح اور سوسن کے پھول سے مشابہ تھا۔اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی"　　(۲۔تواریخ ۴:۵)

ملاحظہ فرمایئے! ایک جگہ حوض کی وسعت دو ہزار بت بتائی گئی ہے' دوسری جگہ تین ہزار دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے اور ایک بات الہامی ہونے کے باوجود یقیناً غلط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مسیحی دوست یہ کہیں کہ دو ہزار اور تین ہزار میں صرف پچاس فیصد مبالغہ ہے۔ بائبل کا الہام اتنے مبالغے کا متحمل ہے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے کہ رُوح القدس کی تائید وہدایت سے سرشار مصنف نے حوض کی وسعت بتانے کیلئے بتوں کی تعبیر کیوں اختیار فرمائی کسی اور چیز کے ذریعے حوض کی گنجائش کیوں نہ بتادی؟ کیا اسے بتوں سے خاص لگاؤ اور محبت ہے؟ لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اور یروشلیم کے سامنے پہاڑ پر بڑے بڑے بت خانے تعمیر کیے **نعوذباللہ** (۱۔سلاطین ۱۱:۴ تا ۸) تو کتاب کے نامعلوم گمنام مصنف کا یہ اسلوب تحریر کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ اگرچہ بائبل خداءِ واحد کی طرف سے کیا گیا الہام ہے۔ نور وہدایت بخشنے والا' توحید کا درس دینے والا کلام ہے مگر اس میں ایسی باتیں چل جاتی ہیں اور بتوں کا اس طرح کا ذکرِ خیر کوئی قابلِ تعجب نہیں۔

طاقتِ خداوندی

کسی آسمانی مذہب اور کتاب کا بنیادی نکتہ "عقیدہ توحید" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ احد صمد ہے' ذات وصفات میں کامل وبے مثال ہے' تمام کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے' تمام خوبیوں اور تمام قوتوں کا مالک ہے۔ عیسائیت کا دعویٰ تو یہی ہے کہ خدا واحد اور عظیم وبرتر

ہے مگر مروجہ عیسائی عقائد اور بائبل اسکی تصدیق نہیں کرتی۔ انہوں نے وحدتِ الٰہی کو ''تثلیث'' سے غارت کیا جو عیسائی علم الٰہیات کا مشکل ترین مسئلہ ہے اور ایک بھید ہے جو انسانی سمجھ سے باہر رہے گا (مسیحی علمِ الٰہی کی تعلیم۔ لوئیس برک ہاف۔ ص ۱۳۷) جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا تعلق ہے تو اسکا نمونہ یہ ہے:۔

''اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا۔ سو اس نے کوہستانیوں کو نکال دیا پر وادی کے باشندوں کو نکال نہ سکا کیونکہ انکے پاس لوہے کے رتھ تھے'' (قضاۃ ۱:۱۹)

یہوداہ کا خداوند بھی عجیب ہے جو کمزوروں پر غالب آسکتا ہے' طاقتوروں پر نہیں۔ وہ وادی کے باشندوں کو اس لئے نہ نکال سکا کہ انکے پاس لوہے کے رتھ تھے۔ جو خدا لوہے کے رتھ والوں پر غالب نہیں آسکتا یا اپنے چہیتوں کو غالب نہیں کرسکتا اسکا مقابلہ ٹینک' میزائل اور ایٹم بم والوں سے ہوجائے تو کیا انجام ہوگا؟ یاد رہے کہ یہوداہ کا وادی کے باشندوں کو نہ نکال سکنا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے نہ تھا اتنا جلدی بغیر کسی وجہ کے ایمان کیسے کمزور ہوگیا؟ ایسا کہنا بلا دلیل اور کمزور بات ہے۔ بائبل سے اس پر کوئی ثبوت نہیں۔ خداوند کا ساتھ ہونے کے باوجود یہوداہ کے غالب نہ آنے کا سبب آیت خود متعین کرتے ہوئے کہہ رہی ہے ''کیونکہ انکے پاس لوہے کے رتھ تھے''۔

دراصل بائبل کا تصورِ خدا کچھ اسی قسم کا ہے کبھی خدا تھک ہار کر آرام کرنے لگتا ہے (پیدائش ۲:۲) کبھی انسان کو زمین پر پیدا کر کے پچھتاتا اور غم کرتا ہے (پیدائش ۶:۶) کبھی ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا کر افسوس کرتا ہے (۱۔ سموئیل ۱۵:۱۱) کبھی وہ ٹھنڈے وقت میں باغ کی سیر کرتا ہے (پیدائش ۳:۸) رحیم اور مہربان ایسا کہ باپ دادا کے گناہ کی سزا بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے (خروج ۳۴:۷) کبھی لوگوں سے دغا بازی کرتا ہے (یرمیاہ ۴:۱۰) کبھی سب نبیوں میں جھوٹ بولنے والی رُوح ڈال دیتا ہے

(۱۔سلاطین۲۲:۲۳) کبھی اسکے نتھنوں سے دھواں اٹھنے لگتا ہے (۲۔سموئیل۲۲:۹) کبھی وہ عورتوں کے بدن بے پردہ اور انکے پوشیدہ حصوں کو ننگا کردیتا ہے (یسعیاہ۳:۱۷) **نعوذباللہ منہا** الغرض اللہ تعالیٰ کے بارے میں بائبل کا ایسا گھٹیا اور جاہلانہ تصور ہے کہ عظمتِ خداوندی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ بلاشبہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ بائبل کے تصورِ الٰہ کا معیار قدیم یونانی بت پرستوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں۔ جبکہ قرآن مجید اسکے مقابلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نہایت اعلیٰ وارفع ترین تصور پیش کرتا ہے۔ جو انسان اپنے پروردگار حقیقی کو بخوبی جاننا چاہتا ہو اُسے چاہیئے کہ قرآنِ حکیم ضرور پڑھے **وباللہ التوفیق**

جرأت وبہادری

بائبل ایک طرف تو خدا تعالیٰ کو عاجز وکمزور ظاہر کرتی ہے۔ دوسری طرف بعض انسانوں کو غیر معمولی جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھاتی ہے اور انکی بہادری کے عجیب وغریب قصے سناتی ہے مثلاً:۔

''اسکے بعد عنات کا بیٹا شمجر کھڑا ہوا اور اُس نے فلستیوں میں سے چھ سو مرد بیل کے پَینے سے مارے اور اس نے بھی اسرائیل کو رہائی دی'' (قضاۃ۳:۳۱)

دوسری جگہ بتایا گیا ہے:۔

''اور اسے ایک گدھے کے جبڑے کی نئی ہڈی مل گئی سو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا اور اس سے اس نے ایک ہزار آدمیوں کو مار ڈالا۔ پھر سمسون نے کہا'' گدھے کے جبڑے کی ہڈی سے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے۔ گدھے کے جبڑے کی ہڈی سے میں نے ایک ہزار آدمیوں کو مارا'' (قضاۃ۱۵:۱۵)

یہ عنات کا بیٹا شمجر معمولی قسم کا آدمی تھا۔ خداوند جس طرح یہوداہ کے ساتھ تھا شمجر کے ساتھ اس طرح کی کوئی معیتِ خداوندی نہیں تھی تاہم شمجر نے بیل کے پَینے (لکڑی کا ڈنڈا جس کے کونوں میں لوہا لگا ہوتا ہے اس سے بیل کو ہانکا جاتا ہے قاموس الکتاب ص۔۹۸)

سے چھ سو آدمیوں کو مار ڈالا۔ غور فرمالیجئے! کہ اس طرح کے آلہ سے اتنے آدمیوں کا ہلاک ہونا اور چھ سو افراد کا ایک شخص کے مقابلہ سے عاجز رہ جانا عقلاً کہاں تک ممکن ہے؟ دوسرے بزرگ کی بہادری اس سے بھی بڑھ کر ہے جنہوں نے گدھے کے جبڑے کی ایک ہڈی سے ہزار آدمیوں کو مار ڈالا اور ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے۔ بائبل بتاتی ہے کہ یہ سمسون نبی تھے (عبرانیوں ۱۱: ۳۲) ماں کے پیٹ میں ہی خدا کے نذیر تھے (قضاۃ ۱۳: ۵) انکی اس غیر معمولی طاقت کا راز سر پر استرہ کا نہ پھرنا ہے۔ مگر برا ہو بے لگام شہوانی خواہشات کا کہ یہ ''غزہ'' گئے۔ وہاں ایک کسبی فاحشہ عورت کے ساتھ رات گذاری۔ شہر والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے انکو مار ڈالنے کا عزم کیا مگر یہ اپنی اسی طاقت کے بل بوتے پر بچ نکلے اور جاتے ہوئے ایک معجزہ بھی دکھا گئے (قضاۃ ۱۶: ۳) پھر یہ سورق کی وادی میں دلیلہ نامی عورت کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور تعلقات کافی بڑھ گئے۔ فلستیوں کے سرداروں نے اس عورت سے فرمائش کی کہ اسے پھسلا کر دریافت کرے کہ انکی شہزوری اور بہادری کا بھید کیا ہے؟ ہم تجھے بھاری رقم دیں گے۔ سمسون نے تین بار تو جھوٹ بول کر دھوکہ دہی کر کے کام چلا لیا مگر روز روز اس محبوبہ کے تنگ کرنے پر انکے ناک میں دم آگیا اور آخر کار مجبور ہو کر بتا دیا کہ میرے سر پر استرہ نہیں پھرا ہے۔ اگر میرا سر مونڈا جائے تو میرا زور مجھ سے جاتا رہے گا۔ دلیلہ نے فلستیوں کو بلا لیا۔ سمسون دلیلہ کے زانوؤں پر سر رکھے محو استراحت تھے کہ اسکے کہنے پر ایک آدمی نے انکا سر مونڈ دیا۔ سی ایچ۔ میکنٹوش اپنے تاثرات یوں بیان کرتا ہے

''دلیلہ کی گود سمسون کے دل کیلئے بہت مضبوط ثابت ہوئی اور جو کام ایک ہزار فلستی سرانجام نہ دے سکے' ایک واحد خاتون نے اپنے دام میں پھنسا کر انجام دے دیا''

(تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ ص۔ ۸۳)

بس پھر کیا! طاقت و شہزوری کا سارا جادو جاتا رہا۔ فلستیوں نے انہیں پکڑا' زندہ حالت

میں دونوں آنکھیں نکال دیں، اندھا کر دیا، غزہ لے گئے، پیتل کی بیڑیوں سے جکڑ دیا۔ بے چارے قید خانہ میں چکی پیسا کرتے تھے (قضاۃ ۱۶:۲۱) یہ ہے اسرائیل کے ایک نبی اور خدا کے نذیر کی الم ناک داستان...... **نعوذباللہ من ذالک** خدا کسی انسان کو اس برے انجام سے دوچار نہ کرے۔ آمین

کامیاب سرقہ

بائبل میں ایک جگہ یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کا غم کرنا اور یسعیاہ نبی کے تسلی دینے کا واقعہ اس طرح آیا ہے۔

''جب حزقیاہ بادشاہ نے یہ سنا تو اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اوڑھ کر خداوند کے گھر میں گیا۔ اور اُس نے گھر کے دیوان الیاقیم اور شبناہ منشی اور کاہنوں کے بزرگوں کو ٹاٹ اُڑھا کر آموص کے بیٹے یسعیاہ نبی کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے اُس سے کہا حزقیاہ یوں کہتا ہے کہ آج کا دن دکھ اور ملامت اور توہین کا دن ہے کیونکہ بچے پیدا ہونے پر ہیں لیکن ولادت کی طاقت نہیں۔ شاید خداوند تیرا خدا ربشاقی کی سب باتیں سنے جسکو اسکے آقا شاہ اسور نے بھیجا ہے کہ زندہ خدا کی توہین کرے اور جو باتیں خداوند تیرے خدا نے سنی ہیں اُن پر وہ ملامت کریگا۔ پس تو اُس بقیہ کیلئے جو موجود ہے دعا کر۔ پس حزقیاہ بادشاہ کے ملازم یسعیاہ کے پاس آئے۔ یسعیاہ نے ان سے کہا کہ تم اپنے آقا سے یوں کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو اُن باتوں سے جو تو نے سنی ہیں جن سے شاہ اسور کے ملازموں نے میری تکفیر کی ہے نہ ڈر۔ دیکھ! میں اُس میں ایک رُوح ڈال دونگا اور وہ ایک افواہ سن کر اپنے ملک کو لوٹ جائیگا اور میں اسے اسی کے ملک میں تلوار سے مروا ڈالونگا۔ سو ربشاقی لوٹ گیا اور اُس نے شاہ اسور کو لبناہ سے لڑتے پایا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ وہ لکیس سے چلا گیا ہے۔ اور جب اس نے کوش کے بادشاہ ترہاقہ کی بابت یہ کہتے سنا کہ دیکھ وہ تجھ سے لڑنے کو نکلا ہے تو اُس نے پھر حزقیاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے اور کہا۔ کہ شاہ یہوداہ حزقیاہ سے یوں کہنا کہ تیرا خدا جس پر تیرا بھروسا ہے تجھے یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ یروشلیم شاہ اسور کے قبضہ میں نہیں کیا جائیگا۔ دیکھ تو نے سنا ہے کہ اسور کے بادشاہوں نے تمام ممالک کو بالکل غارت کر کے انکا کیا حال بنایا ہے سو کیا تو بچا رہیگا۔ کیا اُن قوموں کے دیوتاؤں نے انکو یعنی جوزان اور حاران اور رصف اور بنی عدن جو تلسار میں تھے جنکو ہمارے باپ دادا نے ہلاک کیا چھڑایا؟۔ حمات کا بادشاہ اور ارفاد کا بادشاہ اور شہر سفر وائم اور ہینع اور عواہ کا بادشاہ کہاں

ہیں؟۔حزقیاہ نے ایلچیوں کے ہاتھ سے نامہ لیا اور اسے پڑھا اور حزقیاہ نے خداوند کے گھر میں جا کر اسے خداوند کے حضور پھیلا دیا'' (۲۔سلاطین ۱۹:۱تا۱۴)

یہی واقعہ اسی تفصیل کیساتھ ٹھیک انہی الفاظ میں دوسری جگہ بھی مذکور ہے جو اس طرح ہے:۔

''جب حزقیاہ بادشاہ نے یہ سنا تو اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اوڑھ کر خداوند کے گھر میں گیا۔اور اس نے گھر کے دیوان الیاقیم اور شبناہ منشی اور کاہنوں کے بزرگوں کو ٹاٹ اڑھا کر آموص کے بیٹے یسعیاہ نبی کے پاس بھیجا۔اور انہوں نے اس سے کہا کہ حزقیاہ یوں کہتا ہے کہ آج کا دن دکھ اور ملامت اور توہین کا دن ہے کیونکہ بچے پیدا ہونے پر ہیں اور ولادت کی طاقت نہیں۔شاید خداوند تیرا خدا ربشاقی کی سب باتیں سنیگا جسے اسکے آقا شاہ اسور نے بھیجا ہے کہ زندہ خدا کی توہین کرے اور جو باتیں خداوند تیرے خدا نے سنیں ان پر وہ ملامت کریگا۔پس تو اس بقیہ کیلئے جو موجود ہے دعا کر۔پس حزقیاہ بادشاہ کے ملازم یسعیاہ کے پاس آئے۔اور یسعیاہ نے ان سے کہا کہ تم اپنے آقا سے یوں کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو ان باتوں سے جو تو نے سنی ہیں جن سے شاہ اسور کے ملازموں نے میری تکفیر کی ہے ہراسان نہ ہو۔دیکھ میں اس میں ایک روح ڈال دونگا اور وہ ایک افواہ سنکر اپنے ملک کو لوٹ جائیگا اور میں اسے اسی کے ملک میں تلوار سے مروا ڈالونگا۔سو ربشاقی لوٹ گیا اور اس نے شاہ اسور کو لبناہ سے لڑتے پایا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ وہ لکیس سے چلا گیا ہے۔اور اس نے کوش کے بادشاہ ترہاقہ کی بابت سنا کہ وہ تجھ سے لڑنے کو نکلا ہے اور جب اس نے یہ سنا تو حزقیاہ کے پاس ایلچی بھیجے اور کہا۔کہ شاہ یہوداہ حزقیاہ سے یوں کہنا کہ تیرا خدا جس پر تیرا بھروسا ہے تجھے یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ یروشلیم شاہ اسور کے قبضہ میں نہ کیا جائیگا۔دیکھ تو نے سنا ہے کہ اسور کے بادشاہوں نے تمام ممالک کو بالکل غارت کر کے انکا کیا حال بنایا ہے سو کیا تو بچا رہیگا؟۔کیا ان قوموں کے دیوتاؤں نے انکو یعنی جوزان اور حاران اور رصف اور بنی عدن جو تلسار میں تھے جنکو ہمارے باپ دادا نے ہلاک کیا چھڑایا؟۔حمات کا بادشاہ اور ارفاد کا بادشاہ اور شہر سفروائیم اور ہینع اور عواہ کا بادشاہ کہاں ہیں؟۔حزقیاہ نے ایلچیوں کے ہاتھ سے نامہ لیا اور اسے پڑھا اور حزقیاہ نے خداوند کے گھر میں جا کر اسے خداوند کے حضور پھیلا دیا'' (یسعیاہ ۳۷:۱تا۱۴)

یہ ایک حوالہ بطور نمونہ ہے۔جس میں ایک ہی عبارت و مضمون کو دو مرتبہ پڑھنے میں آپ کو بوریت اور گھٹن بھی محسوس ہوئی ہوگی جس کیلئے ہم معذرت خواہ ہیں لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس طرح کی ایک نہیں بلکہ بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک کتاب کی خاصی طویل

عبارت بغیر کسی خاص فرق کے بعینہٖ دوسری کتاب میں درج ہے۔ دونوں کا مواد و مضمون، الفاظ و حروف تک ایک ہیں۔ علمی دنیا میں اسی کو "سرقہ" کہا جاتا ہے کہ ایک مصنف دوسرے کا تحریری مواد جوں کا توں چُرا کر اپنی طرف منسوب کر دے۔ یہاں اس جرم کا ارتکاب کس نے کیا ہے؟ یہ نکتہ غور طلب ہے کیونکہ کتاب سلاطین کا مصنف معلوم نہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ گذرا۔ کتاب یسعیاہ کا مصنف کون ہے؟ اسکے بارے میں تحقیق یہ ہے۔

"بائبل مقدس میں یسعیاہ کے علاوہ کوئی اور ایسی کتاب نہیں جس کے متعلق زیادہ یقین کے ساتھ مختلف اور متضاد نظریوں کا اظہار کیا گیا ہو۔ تمام نقاد اس امر پر متفق ہیں کہ یسعیاہ نے اس کتاب کا کچھ حصہ تصنیف کیا ہے لیکن بعض یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ تمام کتاب کا مصنف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کتاب کے دو مصنف تھے۔ بعض اسے تین مصنفوں سے منسوب کرتے ہیں۔ چند ایک ایسے علماء بھی ہیں جن کے خیال کے مطابق اسکے بہت سے مصنفین ہیں"

(ہماری کتب مقدسہ۔ جی۔ ٹی۔ مینلی ص۔۲۹۱)

حاصل یہ ہوا کہ سلاطین کی طرح یسعیاہ کا مصنف بھی معلوم نہیں۔ اب مجہول شخص کو الزام دینے کا کیا فائدہ؟ لیکن مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ بائبل کا مصنف خدا خود ہے۔ خدا نے رُوح القدس کی نگرانی میں صاحب الہام بندوں کے ہاتھوں اسے لکھوایا ہے۔ لہٰذا ہمارا حق ہے کہ خداءِ برتر اور رُوح پاک کے درِ اقدس پر دستک دیں اور دست بستہ عرض کریں کہ اس حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے کہ زندہ و لاتبدیل الہامی و آسمانی کلام میں یہ "گڑ بڑ گھٹالا" کیوں ہے؟

غلاموں کے حقوق

بائبل کے مطابق جب حضرت نوح علیہ السلام شراب پی کر برہنہ ہو گئے **نعوذ باللہ** تو انکے بیٹے حام کی والد پر نظر پڑ گئی اس نے فوراً بھائیوں کو اطلاع کی جنھوں نے آ کر والد کی

برہنگی ڈھانکی۔ حضرت نوح علیہ السلام ہوش میں آئے تو اپنے پوتے کنعان کو بلاوجہ غلام ہونے کی بددعا دے ڈالی کہ ''کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا'' (پیدائش ۹:۲۵) بائبل کے ماننے والوں کو اس سے غلامی کا جواز مل گیا۔ مزید برآں اللہ تعالٰی کی طرف سے باقاعدہ منظوری اور حکم بھی آگیا چنانچہ ارشاد ہے:-

''اور تیرے غلام اور تیری جو لونڈیاں ہوں وہ اُن قوموں میں سے ہوں جو تمھارے چوگرد رہتی ہیں۔ ان ہی میں سے تم غلام اور لونڈیاں خرید اکرنا۔ ماسوا انکے ان پردیسیوں کے لڑکے بالوں میں سے بھی جو تم میں بود وباش کرتے ہیں اور انکے گھرانوں میں سے جو تمھارے ملک میں پیدا ہوئے اور تمھارے ساتھ ہیں تم خرید اکرنا اور وہ تمہاری ہی ملکیت ہونگے۔ اور تم انکو میراث کے طور پر اپنی اولاد کے نام کردینا کہ وہ انکی موروثی ملکیت ہوں۔ ان میں سے تم ہمیشہ اپنے لئے غلام لیا کرنا'' (احبار ۲۵:۴۴ تا ۴۶)

بائبل کے مطابق ایک جنگ میں بتیس ہزار کنواری لڑکیوں کو غلام بنایا گیا (گنتی ۳۱:۳۵) جہاں تک ان غلاموں اور غریب کارکنوں کے حقوق اور حسنِ سلوک کا تعلق ہے تو اسکا حکم اس طرح آیا ہے۔

''اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ اسکے ہاتھ سے مرجائے تو اسے ضرور سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے اس لئے کہ وہ غلام اسکا مال ہے۔

(خروج ۲۱:۲۰)

گویا غلام مار کھاتے کھاتے فوراً مرجائے تو مالک کو معمولی سزا ملے گی اور اگر وہ زخموں سے نڈھال، چکنا چور ہو کر تھوڑا عرصہ ایک دو دن ہی جیتا رہے اور پھر مرجائے تو کوئی مواخذہ نہیں۔ افسوس ہے کہ امن کا شہزادہ، غریبوں کی نجات دہندہ شخصیت حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی توریت کے اس ظالمانہ حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ اسے سختی سے نافذ العمل فرمایا (متی ۵:۱۷) انکی تعلیمات میں غلاموں کے حقوق کے متعلق کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی نہ ہی انہوں نے غلامی کی مذمت میں کوئی ایک جملہ ارشاد فرمایا ہاں البتہ محسنِ انسانیت

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

''اگر کسی نے اپنے غلام کو بلا جرم سزا دی یا اسکو ناحق تھپڑ مارا تو اِسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے''(صحیح مسلم)

دوسرا ارشاد ہے

''تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمھارے زیر دست کردیا ہے' پس جسکا بھائی اسکے زیر دست ہو اسے چاہیئے کہ اسکو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اسکو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کیلئے نا قابلِ برداشت ہو' اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اسکی مدد کرے۔ (بخاری' مسلم)

لذیذ کھانا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اپنے منتخب بندے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے اور انکو اچھے اچھے احکامات دیئے ہدایات دیں۔ اِن حضرات نے خود بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کیا اور انسانیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف بلایا۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں مگر بائبل کے مطابق خدا نے اپنے پیغمبروں کو عجیب وغریب حکم دیے ہیں جو نہ صرف خدا تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں بلکہ ایک صاف ستھرا انسانی ذوق اور پاکیزہ فطری مزاج بھی اسکو قبول نہیں کرتا مثلاً حضرت حزقی ایل علیہ السلام کو حکم آیا

''اور تو جَو کے پھلکے کھانا اور تو انکی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے انکو پکانا۔ اور خداوند نے فرمایا کہ اسی طرح سے بنی اسرائیل اپنی ناپاک روٹیوں کو اُن اقوام کے درمیان جن میں میں انکو آوارہ کرونگا کھایا کرینگے۔ تب میں نے کہا کہ ہائے خداوند خدا! دیکھ میری جان کبھی ناپاک نہیں ہوئی اور اپنی جوانی سے اب تک کوئی مردار چیز جو آپ ہی مرجائے یا کسی جانور سے پھاڑی جائے میں نے ہرگز نہیں کھائی اور حرام گوشت میرے منہ میں کبھی نہیں گیا۔ تب اس نے مجھے فرمایا دیکھ میں انسان کی نجاست کے عوض تجھے گوبر دیتا ہوں۔ سو تو اپنی روٹی

اس سے پکانا'' (حزقی ایل ۴:۱۲تا۱۵)

یہ تو حضرت حزقی ایل علیہ السلام نے آہ وزاری' دعا والتجا اور منت سماجت کر کے خدا کو گوبر پر راضی کر لیا ورنہ خدا تعالیٰ کا ارادہ تو یہی تھا کہ یہ انسان کی نجاست سے بدبودار اور قے آور کھانا پکا کر کھائے **نعوذباللہ منہ**

دوسری جگہ حضرت ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) جو اسرائیل کے ایک عظیم نبی ہیں انکو خدا کی طرف سے یہ ہدایت ملی

''اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چلدے اور مشرق کی طرف اپنا رخ کر اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ۔ اور تو اسی نالہ میں سے پینا اور میں نے کووں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں۔ سو اس نے جا کر خداوند کے کلام کے مطابق کیا کیونکہ وہ گیا اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے رہنے لگا۔ اور کوے اسکے لئے صبح کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی رروٹی اور گوشت لاتے تھے اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وہ نالہ سوکھ گیا اس لئے کہ اس ملک میں بارش نہیں ہوئی تھی'' (سلاطین۔ا۔۱۷:۲تا۷)

بہت خوب! بنی اسرائیل کو تو ''سین'' کے بیابان میں من وسلویٰ عطا ہو۔ دھنیے کے بیج کی طرح سفید اور شہد میں پکائے ہوئے حلوہ کی طرح مزیدار بہترین کھانا ملے (خروج ۱۶:۳۱' گنتی ۱۱:۷) دوسری طرف ایک عظیم نبی کو نالے کا گدلا پانی اور کووں کی چونچوں سے کھانا ملتا ہے۔ غور فرمائیے! جب کوا ایک ناپاک پرندہ ہے' اسکا کھانا ممنوع ہے (استثناء ۱۴:۱۱تا۲۰) تو اسکی چونچوں سے ملنے والا کھانا بھی نجس و ناپاک ٹھہرا۔ بائبل اسرائیل کے ایک عظیم نبی کو اس سے بہتر اور کیا خوراک دے سکتی ہے؟

نبوّت کا انداز

بائبل میں ایک جگہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام کو اس طرح حکم دیا گیا ہے

''اس وقت خداوند نے یسعیاہ بن آموص کی معرفت یوں فرمایا کہ جا اور ٹاٹ کا لباس اپنی کمر سے کھول ڈال اور

اپنے پاؤں سے جوتے اتار۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کرتا تھا۔ تب خداوند نے فرمایا جس طرح میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا تا کہ مصریوں اور کوشیوں کے بارے میں نشان اور اچنبھا ہو......... (یسعیاہ ۲۰: ۲)

جب خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہی آوارہ، نیم پاگل، چرسی ملنگوں کی طرح ننگ دھڑنگ پھرا کرتے تھے **نعوذباللہ** تو وہ انسانوں کو کیسی ہدایت وتبلیغ اور کیا نبوت کرتے ہونگے اسکا اندازہ فرمالیں۔ مگر اسمیں ان کا کوئی قصور نہیں خدا تعالٰی کا حکم ہی ایسا تھا **نعوذباللہ** نبوت کرنے کا ایک اور اسٹائل ملاحظہ فرمائیں!

''اور ساؤل نے داؤد کو پکڑنے کو قاصد بھیجے اور انہوں نے جو دیکھا کہ نبیوں کا مجمع نبوت کر رہا ہے اور سموئیل انکا پیشوا بنا کھڑا ہے تو خدا کی روح ساؤل کے قاصدوں پر نازل ہوئی اور وہ بھی نبوت کرنے لگے۔ اور جب ساؤل تک یہ خبر پہنچی تو اس نے اور قاصد بھیجے اور وہ بھی نبوت کرنے لگے اور ساؤل نے پھر تیسری بار اور قاصد بھیجے اور وہ بھی نبوت کرنے لگے۔ تب وہ آپ رامہ کو چلا اور اس بڑے کوئیں پر جو سیکو میں ہے پہنچ کر پوچھنے لگا کہ سموئیل اور داؤد کہاں ہیں؟ اور کسی نے کہا کہ دیکھ وہ رامہ کے بیچ نیوت میں ہیں۔ تب وہ اُدھر رامہ کے نیوت کی طرف چلا اور خدا کی رُوح اس پر بھی نازل ہوئی اور وہ چلتے چلتے نبوت کرتا ہوا رامہ کے نیوت میں پہنچا۔ اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتارے اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوت کرنے لگا اور اس سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا۔ اس لئے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟''

(ا۔سموئیل ۱۹: ۲۰ تا ۲۴)

دیکھا آپ نے نبوت کرنے کا انداز! ایسا لگتا ہے کہ بائبل کے مصنفین نے بڑے اہتمام سے ذمہ داری لے رکھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بہر صورت برہنہ دکھائیں۔ کبھی حضرت نوح علیہ السلام برہنہ ہوجاتے ہیں تو کبھی حضرت داؤد علیہ السلام **نعوذباللہ منہ**

بچوں کا قتل

کہا جاتا ہے کہ بائبل سراسر امن وسلامتی، محبت ودوستی کا درس دیتی ہے۔ عیسائیت کا مذہب یہ ہے کہ جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبت ہے (ا۔یوحنا ۴: ۸)

لیکن جب بائبل دشمنی وانتقام پر اتر آئے تو محبت کے سارے قرینے بھول جاتی ہے اور مخالفوں سے جنگ کیلئے ایسے ظالمانہ ضابطے' سفاکانہ طریقے ہدایت کرتی ہے کہ معافی یا نرمی کا کوئی تصور نہیں اور مجرم یا غیر مجرم کا کوئی لحاظ نہیں مثلاً ارشاد ہے:۔

''اور جب خداوند تیرا خدا انکو تیرے آگے شکست دلائے اور تو انکو مارلے تو تُو انکو بالکل نابود کرڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا.............. بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ انکے مذبحوں کو ڈھادینا انکے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا اور انکی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا اور انکی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادینا''

(استثناء ۷:۲'۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے

''اور سموئیل نے ساؤل سے کہا کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تجھے مسح کروں تا کہ تو اسکی قوم اسرائیل کا بادشاہ ہو۔ سو اب تُو خداوند کی باتیں سن۔ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ مجھے اسکا خیال ہے کہ عمالیق نے اسرائیل سے کیا کیا اور جب یہ مصر سے نکل آئے تو وہ راہ میں انکا مخالف ہوکر آیا۔ سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ انکا ہے سب کو بالکل نابود کردے اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت۔ ننھے بچے اور شیرخوار۔ گائے بیل اور بھیڑ بکریاں۔ اونٹ اور گدھے سب کو قتل کرڈال'' (ا۔سموئیل ۱۵:۱ تا ۳)

ساؤل نے اس حکم پر پوری طرح عمل کیا سب لوگوں کو تلوار کی دھار سے نیست ونابود کردیا۔ البتہ اچھی اچھی بھیڑ بکریوں' گائے بیلوں کو زندہ قبضہ میں لے لیا تا کہ خداوند کے حضور قربانی کرے مگر خداوند نے ساؤل کی اس نافرمانی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اسے بادشاہت سے معزول کردیا اور ساؤل کے انتخاب میں لاعلمی کی بناء پر انتہائی ملول ہوا (ا۔سموئیل ۱۵:۹'۱۱'۲۱'۳۵)

یہ تاریخِ مذاہب کا منفرد جنگی اصول ہے کہ جس میں شیرخوار بچوں اور بے گناہ جانوروں کو بھی قتل کرنے کا حد درجہ سختی سے حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ اسکے مقابلہ میں رحمتِ کائنات ختم الرسل ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

''اللہ سے ڈرنا' خدا کا نام لیکر خدا کی راہ میں جہاد کرنا' خیانت نہ کرنا' عہد شکنی نہ کرنا' مُثلہ نہ

کرنا، بوڑھے، چھوٹے لڑکے، عورت، مزدور کو قتل نہ کرنا'' (ابوداؤد)

یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے بھی اس شقاوت وتشدد کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی بلکہ وہ اپنی آمد کا مقصد اور زندگی کا مشن یہ بتاتے ہیں

''یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اسکے باپ سے اور بیٹی کو اسکی ماں سے اور بہو کو اسکی ساس سے جدا کردوں''

(متی ۱۰:۳۴)

اسکے برعکس رسول عربی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِین (القرآن ۲۱:۱۰۷)

''اور ہم نے آپکو تمام جہانوں کیلئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے''

خود آپ ﷺ کا فرمان ہے **اِنَّمَا اَنَا رَحمَةٌ مُّهدَاةٌ** (مشکوٰۃ)

''حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ میں دی گئی ایک عظیم رحمت ہوں''

پہلا معجزہ

عہدِ جدید اپنی ضخامت کے باوجود حضرت عیسیٰ ؑ کی حیاتِ طیبہ کے متعلق کوئی مکمل یا مفصل معلومات فراہم نہیں کرتا۔ خاص طور پر انکے بچپن اور جوانی کے حالات پسِ پردہ ہیں۔ اناجیل یہی کچھ بتاتی ہیں کہ آٹھویں دن انکا ختنہ ہوا، یسوع نام رکھا گیا، چند دن بعد انکو یروشلیم لایا گیا، شرعی رسوم کی ادائیگی کے بعد انکے والدین (مریم، یوسف) انہیں واپس اپنے شہر ناصرہ لے گئے۔ (لوقا ۲:۳۹) پھر تاریخی ربط ٹوٹ جاتا ہے اور معلوماتی سلسلہ رُک جاتا ہے یہاں تک کہ بارہ برس کی عمر میں وہ دوبارہ یروشلیم لائے جاتے ہیں واپسی پر گم ہو جاتے ہیں۔ انکے والدین پریشانی میں انہیں ڈھونڈتے ہیں تو ہیکل میں استادوں سے سوال وجواب کرتا ہوا پاتے ہیں۔ تب وہ انہیں لیکر واپس چلے جاتے ہیں اور بس

(لوقا۲:۵۱) پھر ہمیشہ کیلئے منظر سے غائب ہو جاتے ہیں تیس برس تک انکا کوئی ذکر نہیں ملتا پھر وہ اچانک تیس سال کی عمر میں یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) اصطباغی سے بپتسمہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں (معلوم نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا ہو کر ایک مخلوق سے بپتسمہ لینے کی کیوں زحمت کی بالخصوص بپتسمہ صرف گناہ گار کی ضرورت ہے) پھر اسی دن تعلیم و تبلیغ شروع کر دیتے ہیں، دوسرے دن گلیل جاتے ہیں، تیسرے دن شادی کی ایک تقریب میں شرکت فرماتے ہیں جس کے متعلق اس طرح آیا ہے:-

''پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اسکے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ انکے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اسکی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے انکو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی نکالا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دلہا کو بلا کر اس سے کہا۔ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اسکے شاگرد اس پر ایمان لائے'' (یوحنا۲:۱تا۱۱)

غور فرمایئے! وہ کس بے باکی، گستاخی و بے ادبی کے ساتھ والدہ سے پیش آئے ہیں انہیں اماں جان وغیرہ کی بجائے ''اے عورت'' کہہ کر پکارتے ہیں، سارے رشتے ناطے بھول جاتے ہیں اور ٹھیک اُسی انداز میں ''اے عورت'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں جس انداز میں زنا کے جرم میں گرفتار عورت سے بات کرتے ہیں (یوحنا۸:۱۰) اور مزید اظہار لاتعلقی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''مجھے تجھ سے کیا کام ہے'' یعنی میرا تمھارے ساتھ تعلق کیا ہے؟ میرا تمھارا کیا لینا دینا ہے؟ افسوس وہ بالکل بھول گئے کہ یہی وہ عورت ہے جس نے انہیں نو

ماہ پیٹ میں رکھا' دودھ پلایا' پرورش کیلئے طرح طرح سے مشقت اٹھائی اور کئی غم سہے مگر وہ یہ سلوک کرتے ہیں اور توہین آمیز رویہ سے پیش آتے ہیں۔ بائبل بتاتی ہے کہ احمق بیٹا ہی اپنی ماں کی تحقیر و بے ادبی کرتا ہے (امثال ۱۵:۲۰) حضرت مسیح علیہ السلام خود ماں باپ کی عزت کی تعلیم دیتے ہیں (متی ۱۹:۱۹) جو ماں باپ کو برا کہے اسے توریت کے مطابق قتل کرنے کا حکم سناتے ہیں (متی ۱۵:۴) مگر انکا اپنا کردار اسکے برعکس ہے۔ ہم نہیں سوچ سکتے کہ اُنکے قول و فعل میں اس طرح کا تضاد ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی والدہ ماجدہ کے انتہائی فرمانبردار' خدمت گزار تھے جیسا کہ خدا کے واحد سچے کلام قرآن مجید کا اعلان ہے

''وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا'' (القرآن ۱۹:۳۲)

''اور مجھ کو اپنی ماں کیساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا اور سرکش و بد بخت نہیں بنایا''

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''ابھی میرا وقت نہیں آیا'' یعنی ابھی میرا معجزے کرنے اور خود کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا (تفسیر الکتاب میتھیو ہنری۔ ج ۳۔ ص ۶۸۰) افسوس ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پہلے خود ہی کہتے ہیں کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا کہ معجزات کروں پھر اپنی بات جھٹلا کر اسی مجلس میں اسی وقت معجزہ کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ جب ایک کام کرنا ہی تھا تو اسکی وجہ سے والدہ محترمہ کو ڈانٹنے' سرد مہری اور اجنبیت سے جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟

تیسری بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا سب سے پہلا معجزہ یہی تھا کہ انہوں نے پانی کے چھ مٹکوں کو مے (شراب) بنایا۔ یہ واقعی ''مے'' ہی تھی کوئی انگور کا تازہ جوس نہ تھا۔ یہی مے تھی جسکو پی کر حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں سے زنا کر بیٹھے (پیدائش ۱۹:۳۲) جسکو پی کر حضرت نوح علیہ السلام برہنہ ہو گئے **نعوذباللہ** (پیدائش ۹:۲۱) جس سے پرہیز کرنے کو خدا کے حضور بزرگ ہونے کا نشان کہا گیا ہے

(لوقا ۱:۱۵) جس کے پینے کو بدچلنی کا سبب بتایا گیا ہے (افسیوں ۱۸:۵) جسے پی کر انسان خدا کے حضور خیمہ اجتماع میں حاضر ہونے کا اہل نہیں رہتا (احبار ۸:۱۰) مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے پہلے معجزے کی برکت سے جو چیز وجود میں آتی ہے وہ مے ہی ہے شراب ہی شراب ہے۔ ایک خوش طبع شخص نے بڑی ظریفانہ بات کہی کہ آج سارا یورپ شراب کے سمندر میں غرق ہے۔ مگر اسمیں کوئی برائی نہیں' یہ چیز بالکل قابل تعجب نہیں کیونکہ انکے خدا کا پہلا معجزہ ہی شراب تھا۔ جو چیز انکے آقا کیلئے اچھی تھی وہ ان کیلئے کیسے بری ہو سکتی ہے۔ ایک مسیحی مفسر اس معجزے پر شیخی بگھارتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''موسیٰ کا پہلا معجزہ پانی کو خون بنانا تھا۔ اس میں زبردست تباہ کن اثر تھا۔ مگر مسیح کا پہلا معجزہ پانی کو مے بنانا تھا۔ اسکا اثر تسکین بخش اور آسودہ کرنے والا تھا''

(تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ ص ۲۶۱)

ہو سکتا ہے کہ یہ مے نوشی وقتی طور پر کچھ تسکین بخش ہو یا تھوڑی دیر کیلئے آسودہ حالت کر دے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ عقل سے اس طرح محروم اور شہوانیت اس طرح غالب کر دیتی ہے کہ انسان انتہائی گھناؤنے کرتوت کر بیٹھتا ہے۔ اسکی ساری راستبازی خاک میں مل جاتی ہے اور بنے بنائے شخص کا خانہ خراب ہو جاتا ہے

ایمان کی حقیقت

تمام انبیاء کرام علیہم اسلام کی دعوت کے مشترکہ نکات توحید' رسالت' آخرت ہیں۔ ان پاکیزہ عقائد کے ماننے کا نام ایمان ہے۔ ایمان میں جس اطاعت وبندگی کا اقرار کیا جاتا ہے اسے اپنے عمل سے سچا ثابت کرنے کا نام اسلام ہے۔ مگر عیسائیت کے ہاں ایمان نظریات وعقائد کو نہیں کہتے بلکہ شعبدہ بازی کا نام ایمان ہے مثلاً

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ

یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائیگا اور کوئی بات تمہارے لیے ناممکن نہ ہوگی''

(متی ۱۷:۲۰)

''خداوند نے کہا کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا اور تم اس توت کے درخت سے کہتے کہ جڑ سے اکھڑ کر سمندر میں جا لگ تو تمہاری مانتا'' (لوقا ۱۷:۶)

''جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائیگا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائیگا اور ایمان والوں کے درمیان یہ معجزے ہونگے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالینگے۔ نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اٹھالینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئنگے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھینگے تو اچھے ہو جائینگے''

(مرقس ۱۶:۱۶)

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کوئی اس پہاڑ سے کہے تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ اور اپنے دل میں شک نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہے وہ ہو جائے گا تو اس کے لیے وہی ہوگا۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تم دعا میں مانگتے ہو یقین کرو کہ تم کو مل گیا اور وہ تمہارے لیے ہو جائیگا'' (مرقس ۱۱:۲۳)

''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کریگا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کریگا.........'' (یوحنا ۱۴:۱۲)

انجیل کے ان ارشادات کے مطابق کسی مسیحی کا بھی مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا اور عیسائی دنیا کی اکثریت بلکہ تمام بے ایمان ہیں کیونکہ ایمان کا ادنیٰ معیار یہ بتایا گیا ہے کہ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو اس شخص کے کہنے پر پہاڑ اپنی جگہ سے سرک کر وہاں چلا جائے گا' توت کا درخت جڑ سے اکھڑ کر سمندر میں جا لگے گا۔ آج کوئی پوپ و بشپ نائب المسیح بھی ایسا نہیں کرسکتا کہ اپنی چھوٹی سی ہوائی چپل کو ایمانی طاقت سے ہوا میں اونچا معلق کردے یا اپنے ہاتھ کی گھڑی کو حکم دے سکے کہ یہاں سے وہاں چلی جا۔ یقیناً اس میں رائی کا کروڑواں حصہ بھی ایمان نہیں اور وہ دولتِ ایمان سے بالکل محروم ہے۔ اگر عیسائی دوستوں میں ایمان ہوتا تو وہ سیکھے بغیر ہر زبان بول سکتے حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح کسی زبان کے بولنے میں سیکھنے کے محتاج ہیں۔ سانپوں کا اٹھانا تو دور کی بات ہے کوئی عیسائی

اپنے ہاتھ میں بچھو اٹھانے کو بھی تیار نہیں ہوگا اگر وہ ایسا کرے گا تو بچھو اسکے ایمان کا لحاظ نہیں کرے گا اور اپنا حق خدمت ضرور ادا کرے گا۔ اگر کوئی عیسائی ہلاک کرنے والی چیز پیئے گا تو ضرور ضرر پہنچے گا۔ تمام عیسائی مشن ہسپتال انکی بے ایمانی کے اشتہار ہیں کیونکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو بیماروں کو صرف ہاتھ رکھ کر شفا دے دیتے۔ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی آخری دعا میں موت کا پیالہ ٹلنے کی التجا اتنی دل سوزی سے کی کہ اپنا چہرہ مبارک زمین پر رگڑ رہے تھے اور جسم سے پسینہ کی بجائے خون کے قطرے بہہ رہے تھے (لوقا ۲۲:۴۴) مگر یہ پیالہ نہ ٹل سکا شاید انہوں نے ایمان و یقین کے ساتھ دعا نہ مانگی ہوگی۔ عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورے چھ گھنٹے صلیب پر تڑپتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکایت آمیز کفریہ نعرہ لگاتے رہے کہ ''اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا''۔ اگر ان میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ اپنی ایمانی قوت سے صلیب کی لکڑی توڑ کر نیچے آجاتے۔ الغرض انجیل کے مطابق کسی عیسائی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مسیحی دوستوں کو سوچنا چاہیے کہ جب اُن میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں تو وہ دوسروں کو کس چیز کی دعوت دیتے پھرتے ہیں؟

ناقابلِ عمل

جس طرح ''انجیلی ایمان'' کا حاصل کرنا دشوار ہے اسی طرح انجیل کی تعلیمات پر انتہائی اعلیٰ ہونے کے باوجود عمل کرنا بہت مشکل ہے مثلاً ارشاد ہے:۔

''لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا'' (متی ۵:۳۹)

عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے جانوروں کو بھی حقِ مدافعت دیا ہے۔ کوئی اڑ کر جان بچالیتا ہے کوئی تیز بھاگ کر بچ نکلتا ہے کوئی سینگ مار کر اپنا دفاع کرتا ہے کوئی ڈس کر اپنا بدلہ لیتا ہے مگر عیسائی ''انجیلی تعلیم'' کی بنا پر اتنا بے بس ہے کہ اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ اگر کوئی چور اسکے ایک کمرے کا سامان چوری کرے تو اسے واپس لینے کا حق نہیں بلکہ دوسرے کمرے کا سامان بھی از خود چور کے حوالے کردے۔ اگر کوئی شخص کسی عیسائی ملک کا ایک صوبہ چھین لے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ صوبہ واپس لے بلکہ اسے یہ حکم ہے کہ دوسرا صوبہ بھی اسکے حوالے کردے۔ اگر کوئی کسی عیسائی کو اغوا کرلے تو بازیابی کا حق نہیں بلکہ دوسرا بھی حوالے کردے وغیرہ وغیرہ۔

بائبل کی یہ تعلیم بظاہر بڑی خوبصورت، امن پسند، پیار بھری ہے مگر حقیقت میں ایسی نامناسب اور ناقابلِ عمل ہے کہ کوئی عیسائی انفرادی یا اجتماعی طور پر اسے نہیں اپنا سکتا۔ بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ جب ایک یہودی نے گرفتار حالت میں انکو طمانچہ مارا **نعوذ باللہ** تو انہوں نے دوسرا گال پیش نہیں کیا بلکہ اپنے مارنے والے کو ڈانٹا کہ تو مجھے کیوں مارتا ہے؟ (یوحنا ۱۸:۲۲) ٹھیک اسی طرح ہر زمانے کی عیسائی اقوام نے بھی اس تعلیم کو سختی سے رد کیا۔ ایٹم بم اور دوسرے مہلک ترین آلاتِ حرب ایجاد کرنے والے عیسائی ہی ہیں۔ بلکہ عیسائیت نے اپنے داخلی و مذہبی اختلافات کی بنیاد پر آپس میں جو خون بہایا اور ظلم کیا اسکی داستان اتنی لرزہ خیز ہے کہ خدا کی پناہ! اور دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ میں ایسے بدترین مذہبی مظالم کی مثال نہیں ملتی۔ اگر آپ اسکی تفصیل دیکھنا چاہیں تو پادری خورشید عالم کی مستند کتاب ''تواریخ کلیسائے رُومۃ الکبریٰ'' ملاحظہ فرمائیں۔

پاکیزگی و پاکدامنی

زنا ایک سنگین جرم ہے۔جس میں خدا تعالیٰ کی حد پھلانگنا اور انتہاء درجہ نافرمانی ہے۔ تمام آسمانی شریعتوں میں اسکی بڑی مذمت آئی ہے اور اس پر سخت وعید و سزا سنائی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ایک ارشاد میں اس سے بچنے کا طریقہ یوں بتایا گیا ہے:-

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا۔لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اسکے ساتھ زنا کر چکا۔پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسکو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے''

(متی ۵:۲۷تا۳۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح زنا کا ایک سبب یعنی کسی عورت کو بری خواہش سے دیکھنا بھی بہت برا اور دل کا زنا ہے۔ مناسب تعلیم تو یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ بدنگاہی نہ کرے اگر خدانخواستہ ہو جائے تو فوراً وہاں سے ہٹ جائے' اجنبی عورت سے خلوت اختیار نہ کرے' اپنے دل و دماغ کو اس برے خیال سے پاک کرے' اللہ تعالیٰ سے رو کر معافی مانگ لے' آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا پختہ عزم کرے' کوئی نیک عمل کر کے گناہ کے اس میل کو دھولے وغیرہ وغیرہ۔ مگر انجیل کی تعلیم کے مطابق اس شخص کو چاہیئے کہ پہلی فرصت میں آنکھ نکال کر پھینک دے۔ اگر دوسری مرتبہ ایسی حرکت ہو جائے تو دوسری آنکھ بھی نکال باہر کرے اور ہمیشہ کیلئے اندھا ہو جائے۔ بظاہر یہ تعلیم بڑی روحانی ہے مگر حقیقت میں ایسی ناقابلِ عمل ہے کہ اکاّ دکاّ کوئی کامل صادق مضبوط ایمان والا شخص ہی

اس پر عمل کر سکے تو کرے ورنہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں اور ایسے مضبوط ایمان والا شخص بدنظری کا گناہ ہی کیوں کرے گا۔ یہ حرکت تو کمزور ایمان والے کریں گے اور ان کیلئے اس تعلیم پر عمل کرنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت نے اس تعلیم سے بری طرح روگردانی کی اور ترقی معکوس کرتے ہوئے دوسری جانب حد سے بڑھ گئے چنانچہ ''تاریخِ اخلاقِ یورپ'' کے فاضل مؤلف نے اس شرمناک صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

.....that inveterate prevalance of incest among the clergy which rendered it necessary angain and again to issue the most stringent enactments that priests should not be permitted to live with their mothers and sisters,

(W.Lecky;op.cit.P.231)

''اہل کلیسا میں محرمات سے مباشرت کا چلن اتنا پختہ (ہو چکا تھا) کہ پادریوں کو اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے روکنے کی خاطر بار بار انتہائی سخت قوانین جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی''

۱۴۳۱ء میں منعقد ہونے والی کونسل نے فیصلہ دیا کہ

The clergy were all fornicators.

(H.C.Lea;Sacredotal Celibacy P.383)

''سب کے سب پادری زناکار ہیں''

عیسائیت کے ان اخلاقی جرائم کی داستان بہت ہی طویل ہے اور آج تک مسلسل جاری ہے۔ اس پر انگریزی میں خود مسیحی مصنفین کی طرف سے لکھی ہوئی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس موضوع کے متعلق صرف ایک ویب سائٹ www.findarticles.com پر دس لاکھ سے زائد آرٹیکلز موجود ہیں۔ اس لئے ہم ان خرافات کا مزید تذکرہ مفید نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید بھی اس موضوع کو بڑے وقار کیساتھ

سمیٹتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

وَرَهبَانِيَّةَ نِابتَدَعُوهَا مَا كَتَبنٰهَا عَلَيهِم اَلَّا ابتِغَآءَ رِضوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (القرآن ۲۷:۵۷)

''اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے انکو اسکا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اسکو نبھانا چاہیئے تھا نبھا بھی نہ سکے''

واقعی انہوں نے رہبانیت و تجرد اختیار کیا' غیر شادی شدہ رہنے کی ٹھانی' لذات سے کنارہ کشی کا عزم کیا' ترکِ دنیا کے پابند ہوئے اور دعویٰ کیا کہ ہمارے مذہبی پیشوا یسوع مسیح کے طریقے پر چلتے ہوئے نفس کشی کریں گے' ہماری عورتیں مریم صدیقہ کے اسوۂ پر چلتے ہوئے پاکدامن کنواری رہیں گی مگر وہ اسکو نبھا نہ سکے اور فطرت سے بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت کے بے شمار اعلیٰ مذہبی عہدیدار ''ایڈز'' میں مبتلا ہوئے' بڑے بڑے بشپ طوائفوں کی سرپرستی اور منشیات کے دھندے میں ملوث ہوئے' کتنی راہبات (Nuns) اسقاطِ حمل کے نتیجے میں ہلاک ہوئیں' پادریوں کے ناجائز بچوں کا شمار بھی خاصا دشوار ہے' ہم جنس پرستی کلیسائی ثقافت کی پہچان بن چکی ہے اور معلوم نہیں کیا کیا ہوا' ہو رہا ہے اور خبر نہیں آئندہ کیا کیا ہوگا۔

اس سے انکار نہیں کہ ہر مذہب کے پیروکاروں کی ایک تعداد اپنی مذہبی تعلیمات سے بیگانہ رہتی ہے۔ لیکن کسی مذہب کے مذہبی پیشواؤں کا اتنی کثرت اور تسلسل کے ساتھ اتنے جرائم میں مبتلا ہونا خاص طور پر جنسی و غیر اخلاقی مسائل سے دوچار ہونا عیسائیت کا امتیاز ہے۔ افسوس یہ کہ انہوں نے ان سب کارناموں کو شاندار ریکارڈ کے طور پر خود سپردِ قلم فرمایا ہے اور تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کیلئے ثبت کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ عیسائیت کے

خوبصورت ماتھے کا خوشنما جھومر ہے۔

گھر کا کفارہ

انجیل کی طرح توریت کی تعلیمات بھی کچھ زیادہ عمدہ یا معیاری نہیں بلکہ ان میں بھی نامعقولیت ہی غالب ہے مثلاً ارشاد ہے

''پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ۔ جب تم ملک کنعان میں جسے میں تمہاری ملکیت کئے دیتا ہوں داخل ہو اور میں تمہارے میراثی ملک کے کسی گھر میں کوڑھ کی بلا بھیجوں۔ تو اس گھر کا مالک جا کر کاہن کو خبر دے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں کچھ بلا سی ہے۔ تب کاہن حکم کرے کہ اس سے پیشتر کہ اس بلا کو دیکھنے کے لئے کاہن وہاں جائے لوگ اس گھر کو خالی کریں تا کہ جو کچھ گھر میں ہو وہ ناپاک نہ ٹھہرایا جائے۔ اسکے بعد کاہن گھر دیکھنے کو اندر جائے۔ اور اس بلا کو ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا اس گھر کی دیواروں میں سبزی یا سرخی مائل گہری لکیروں کی صورت میں ہے اور دیوار میں سطح کے اندر نظر آتی ہے۔ تو کاہن گھر سے باہر نکل کر گھر کے دروازہ پر جائے اور گھر کو سات دن کیلئے بند کر دے۔ اور وہ ساتویں دن پھر آ کر اسے دیکھے۔ اگر وہ بلا گھر کی دیواروں میں پھیلی ہوئی نظر آئے۔ تو کاہن حکم دے کہ ان پتھروں کو جن میں وہ بلا ہے نکال کر انہیں شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں پھینک دیں۔ پھر وہ اس گھر کو اندر ہی اندر چاروں طرف سے کھر چوائے اور اس کھرچی ہوئی مٹی کو شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں ڈالیں۔ اور وہ ان پتھروں کی جگہ اور پتھر لیکر لگائیں اور کاہن تازہ گارے سے اس گھر کی استرکاری کرائے۔ اور اگر پتھروں کے نکالے جانے اور اس گھر کے کھرچے اور استرکاری کرائے جانے کے بعد بھی وہ بلا پھر آ جائے اور اس گھر میں پھوٹ نکلے۔ تو کاہن اندر جا کر ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا گھر میں پھیل گئی ہے تو اس گھر میں کھا جانے والا کوڑھ ہے۔ وہ ناپاک ہے۔ تب وہ اس گھر کو اسکے پتھروں اور لکڑیوں اور اسکی ساری مٹی کو گرا دے اور وہ انکو شہر کے باہر نکال کر کسی ناپاک جگہ میں لے جائے۔ ماسوا اسکے اگر کوئی اس گھر کے بند کر دیے جانے کے دنوں میں اسکے اندر داخل ہو تو وہ شام تک ناپاک رہیگا۔ اور جو کوئی اس گھر میں سوئے وہ اپنے کپڑے دھو ڈالے اور جو کوئی اس گھر میں کچھ کھائے وہ بھی اپنے کپڑے دھوئے۔ اور اگر کاہن اندر جا کر ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ گھر کی استرکاری کے بعد وہ بلا اس گھر میں نہیں پھیلی تو وہ اس گھر کو پاک قرار دے کیونکہ وہ بلا دور ہو گئی۔ اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کیلئے دو پرندے اور دیودار کی لکڑی اور سرخ کپڑا اور زوفا لے۔ اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے۔ پھر وہ دیودار کی لکڑی اور زوفا اور

سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندہ کو لیکر انکو اس ذبح کئے ہوئے پرندہ کے خون میں اور اس بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑ کے۔ اور وہ اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندہ اور دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو پاک کرے۔ اور اس زندہ پرندہ کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے۔ یوں وہ گھر کیلئے کفارہ دے تو وہ پاک ٹھہریگا''

(احبار ۱۴: ۳۳ تا ۵۳)

توہم پرستی' جہالت' ضعف اعتقاد کا کرشمہ دیکھئے کہ بڑے بڑے عالی شان مکانات اس قسم کے لایعنی' مہمل وسوسوں کی وجہ سے گرادیے جائیں۔

کپڑوں کی طہارت

اونی یا کتانی کپڑوں یا چمڑے کی بنی ہوئی چیزوں میں بلا آجائے تو اسے پاک کرنے کیلئے بڑی تفصیل کے ساتھ شرعی احکام دیے گئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:۔

''اور وہ کپڑا بھی جس میں کوڑھ کی بلا ہو خواہ وہ اُون کا ہو یا کتان کا۔ اور وہ بلا بھی خواہ کتان یا اون کے کپڑے کے تانے میں یا اسکے بانے میں ہو یا وہ چمڑے میں ہو یا چمڑے کی بنی ہوئی کسی چیز میں ہو۔ اگر وہ بلا کپڑے میں یا چمڑے میں۔ کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں سبزی مائل یا سرخی مائل رنگ کی ہو تو وہ کوڑھ کی بلا ہے اور کاہن کو دکھائی جائے۔ اور کاہن اس بلا کو دیکھے اور اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے سات دن تک بند رکھے۔ اور ساتویں دن اسکو دیکھے۔ اگر وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے پر یا چمڑے کی بنی ہوئی کسی چیز پر پھیل گئی ہو تو وہ کھا جانے والا کوڑھ ہے اور ناپاک ہے۔ اور اس اون یا کتان کے کپڑے کو جسکے تانے میں یا بانے میں وہ بلا ہے یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ ہے جلا دے کیونکہ یہ کھا جانے والا کوڑھ ہے۔ وہ آگ میں جلایا جائے۔ اور اگر کاہن دیکھے کہ وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں پھیلی ہوئی نظر نہیں آتی تو کاہن حکم کرے کہ اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے دھوئیں اور وہ پھر اسے اور سات دن تک بند رکھے۔ اور اس بلا کے دھوئے جانے کے بعد کاہن پھر اسے ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ اس بلا کا رنگ نہیں بدلا اور وہ پھیلی بھی نہیں ہے تو وہ ناپاک ہے۔ تو اس کپڑے کو آگ میں جلا دینا کیونکہ وہ کھا جانے والی بلا ہے خواہ اسکا فساد اندرونی ہو یا بیرونی۔ اور اگر کاہن دیکھے کہ دھونے کے بعد اس بلا کی چمک کم ہوگئی ہے تو اسے اس کپڑے سے یا چمڑے سے۔ تانے یا بانے سے پھاڑ کر نکال پھینکے۔ اور اگر وہ بلا پھر بھی کپڑے کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی چیز میں دکھائی

دے تو وہ پھوٹ کر نکل رہی ہے۔ پس تو اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے آگ میں جلا دینا۔ اور اگر اس کپڑے کے تانے یا بانے میں سے یا چمڑے کی چیز میں سے جسے تو نے دھویا ہے وہ بلا جاتی رہے تو وہ چیز دوبارہ دھوئی جائے اور وہ پاک ٹھہر ے گی۔ اون یا کتان کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں اگر کوڑھ کی بلا ہو تو اسے پاک یا ناپاک قرار دینے کیلئے شرع یہی ہے۔"

(احبار ۱۳: ۴۷ تا ۵۹)

غور فرمایئے! شرع کے یہ احکام کہاں تک عقل کے مطابق ہیں۔ کیا اس قسم کے بے ہودہ توہمات کی وجہ سے قیمتی کپڑوں اور چمڑوں کا جلانا مناسب ہوسکتا ہے؟

جریان کا مرض

"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ۔ بنی اسرائیل سے کہو کہ اگر کسی شخص کو جریان کا مرض ہو تو وہ جریان کے سبب سے ناپاک ہے۔ اور جریان کے سبب سے اسکی ناپاکی یوں ہوگی کہ خواہ دھات بہتی ہو یا دھات کا بہنا موقوف ہو گیا ہو وہ ناپاک ہے۔ جس بستر پر جریان کا مریض سوئے وہ بستر ناپاک ہوگا اور جس چیز پر وہ بیٹھے وہ چیز ناپاک ہوگی۔ اور جو کوئی اسکے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور جو کوئی اس چیز پر بیٹھے جس پر جریان کا مریض بیٹھا ہو وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور جو کوئی جریان کے مریض کے جسم کو چھوئے وہ بھی اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور اگر جریان کا مریض کسی شخص پر جو پاک ہے تھوک دے تو وہ شخص اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک ہے۔ اور جس زین پر جریان کا مریض سوار ہو وہ زین ناپاک ہوگا۔ اور جو کوئی کسی چیز کو جو اس مریض کے نیچے رہی ہو چھوئے وہ شام تک ناپاک رہے اور جو کوئی ان چیزوں کو اٹھائے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور جس شخص کو جریان کا مریض بغیر ہاتھ دھوئے چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور مٹی کے جس برتن کو جریان کا مریض چھوئے وہ توڑ ڈالا جائے پر چوبی برتن پانی سے دھویا جائے۔ اور جب جریان کے مریض کو شفا ہو جائے تو وہ اپنے پاک ٹھہرنے کیلئے سات دن گنے۔ اسکے بعد وہ اپنے کپڑے دھوئے و ربہتے ہوئے پانی میں نہائے تب وہ پاک ہوگا۔ اور آٹھویں دن دو قمریاں یا کبوتر کے دو بچے لیکر وہ خداوند کے حضور خیمہ اجتماع کے دروازہ پر جائے اور انکو کاہن کے حوالہ کرے۔ اور کاہن ایک کو خطا کی قربانی کیلئے اور دوسرے کو سوختنی

قربانی کیلئے گذرانے۔ یوں کاہن اسکے لئے اسکے جریان کے سبب سے خداوند کے حضور کفارہ دے''

(احبار ۱:۱۵ تا ۱۵)

اسی طرح حیض و استحاضہ میں مبتلا عورت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اس حد تک ناپاک ہوتی ہے کہ جو اُسے چھوئے وہ بھی اور جو اسکا بستر چھوئے وہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ پھر جریانِ خون سے شفا پانے پر قربانی کی صورت میں اسی طرح کا کفارہ تجویز کیا گیا ہے (احبار ۱۵:۱۹) حاملہ عورت کے لڑکا پیدا ہو تو ایک ہفتہ نفاس کے خون میں ناپاک رہے گی اور لڑکی پیدا ہو تو دو ہفتے ناپاک رہے گی۔ لڑکا پیدا ہونے پر تینتیس دن طہارت کے خون میں رہے گی اور لڑکی پیدا ہونے پر چھیاسٹھ دن تک طہارت کے خون میں رہے گی (احبار ۱۲:۲) کوئی نہیں جو وجہ فرق بتا سکے۔ پھر ایام پورے ہونے پر کاہن کے پاس جا کر قربانی کے ذریعے کفارہ بھی ضروری ہے۔

اِن اُوٹ پٹانگ باتوں کو بھی دیکھیے اور دوسری طرف مسیحی مبلغین کی یہ منادی بھی سنیے کہ بائبل اور مسیحیت نے دنیا کو تہذیب و تمدن، علم و دانش سے روشناس کرایا ہے اور وہ عالم گیر مذہب پیش کرتی ہے۔ یہ چند آسمانی تعلیمات اور آفاقی ہدایات بطورِ نمونہ ذکر کی گئی ہیں ورنہ بائبل اس طرح کے ''حکیمانہ احکامات'' سے لبریز ہے۔ خاص طور پر کتاب ''احبار'' میں اسکی مثالیں بکثرت دیکھی جا سکتی ہیں۔

خوابِ پریشاں

بائبل ایک ضخیم الہامی کتاب ہے جس میں صحائف، خطوط، مکاشفات بھی کچھ درج ہے۔ مسیحیوں کا کہنا ہے کہ اس میں مختلف ادبی اصناف نثر، نظم، ڈرامہ اور کہانی موجود ہیں۔ بائبل کی آخری کتاب ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' ہے جو دراصل یسوع مسیح کا مکاشفہ ہے جو انہیں خدا کی طرف سے ہوا۔ مکاشفہ درحقیقت الہامی اور سچے خوابوں کا مجموعہ ہے۔ آپ بھی

ایک خواب سنیئے اور اسکی تعبیر معلوم کیجئے!

''اور میں نے ایک حیوان کو سمندر میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اسکے دس سینگ اور سات سر تھے اور اسکے سینگوں پر دس تاج اور اسکے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور جو حیوان میں نے دیکھا اسکی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا اور اُس اژدہا نے اپنی قدرت اور اپنا تخت اور بڑا اختیار اسے دے دیا''

(مکاشفہ ۱:۱۳)

یہ پورا مکاشفہ اسی طرح کے خوابوں کا مجموعہ ہے یہ خواب کہاں تک سچے ہیں اندازہ فرمالیں تاہم مسیحیوں نے ان خوابوں کی تعبیر وتشریح میں بہت مغزماری کی ہے اور سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی ہیں اور ساتھ ہی اعتراف بھی کیا ہے کہ مکاشفہ کی کتاب کو سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ واقعی ایسی بے جوڑ، فرضی باتوں کو حقائق کے دھاروں میں تلاش کرنا بہت مشکل اور بے فائدہ کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسیحی عقلاء نے ان خلاف عقل باتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے ایک فاضل مفسر نہایت جھلا کر فرماتے ہیں:۔

''کئی آدمیوں نے جنکی عقل بگڑ گئی ہے اس کتاب کو قبول نہیں کیا مگر اس طرح اس کتاب کے معتبر اور مستند ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا خدا کی کلیسیا اسے قبول کرتی اور مانتی ہے اور اس سے نصیحت اور تسلی پاتی ہے

(تفسیر الکتاب۔ میتھو ہینری۔ ج ۳۔ ص ۱۶۶۰)

دولتمند کی نجات

ایک نوجوان حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور گھٹنے ٹیک کر پوچھتا ہے کہ میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ حکموں پر عمل کر۔ تفصیل دریافت کرنے پر فرماتے ہیں

''یہ کہ خون نہ کر۔ زنا نہ کر۔ چوری نہ کر۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اس جوان نے اس سے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟۔ یسوع نے اس سے کہا اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے

آسمان پر خزانہ ملیگا اور آکر میرے پیچھے ہولے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔ اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ شاگرد یہ سن کر بہت ہی حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ پھر کون نجات پا سکتا ہے؟

(متی ۱۹: ۱۸ تا ۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا ممکن ہے مگر دولتمند کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا محال ہے۔ اس ارشاد کے مطابق روئے ارض پر موجود تمام عیسائی دولتمند دوستوں اور خاص طور پر سرمایہ داروں کا نجات پانا ناممکن ٹھہرتا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ تمام مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دیں اور خود آسمانی خزانہ کے انتظار میں بھیک مانگ کر گزارہ کریں۔ یہ نجات کا ایسا مشکل طریقہ ہے کہ شاید ہی کوئی اس پر عمل کر سکے حتیٰ کہ شاگردوں نے بھی اسی مجلس میں اس پر اظہارِ حیرت کیا اور اس حکم کو انتہائی مشکل قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سارے احکام پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے والا یہ شخص اداس، غمگین ہو کر نجات سے مایوس اور محروم واپس چلا گیا۔ کاش یہ سیدھا دربارِ محمدی ﷺ میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کرتا تو اسے جواب ملتا کہ سال گزرنے کے بعد اپنے مال کا چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں دے دیا کرو اور باقی اپنی ضروریات پر جیسے چاہے خرچ کرو۔

معاشرتی تعلقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو کئی لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے:۔

"جب یسوع نے اپنے گرد بہت سی بھیڑ دیکھی تو پار چلنے کا حکم دیا۔ اور ایک فقیہ نے پاس آکر اس سے کہا اے استاد جہاں کہیں تو جائیگا میں تیرے پیچھے چلونگا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کیلئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔ ایک اور شاگرد نے اس سے کہا اے خداوند مجھے

اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میرے پیچھے چل اور مُردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔ جب وہ کشتی پر چڑھا تو اسکے شاگرد اسکے ساتھ ہولئے۔ اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ سوتا تھا۔ انہوں نے پاس آکر اسے جگایا اور کہا اے خداوند ہمیں بچا! ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا اے کم اعتقادو! ڈرتے کیوں ہو؟ تب اس نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا امن ہوگیا'' (متی ۸: ۱۸ تا ۲۶)

اگر ہم کہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام ہر وقت تعلیم و تلقین کرنا' خوشخبری دینا اور نجات وفضل کی منادی کرنا تھا مسلسل خدمتِ دین اور اشاعتِ پیغام کیلئے وہ ہر وقت مسافر رہے اور انکا اپنا کوئی گھر نہ تھا تو یہ ایک حد تک قابلِ تعریف بات ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب وہ یہ سب کام خدا کی رضا کیلئے کر رہے ہیں تو پھر اس طرح مایوسی ومحرومی کے انداز میں شکوہ وافسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں' پرندوں کے گھونسلے ہوتے ہیں مجھ بیچارے کو سر دھرنے کی دو گز زمین بھی نصیب نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنے سے انکے توکل واستقامت' خدا پر ایمان واعتقاد اور سیرت وکردار پر بڑی زد پڑتی ہے۔ اسی طرح انکا خدا ہونا بھی باطل ہو جاتا ہے یہ کیسا خدا ہے جسے سر دھرنے کی جگہ بھی میسر نہیں اور وہ اِسکا سخت محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف جگہوں پر مہمان کے طور پر اسکے سونے کا انتظام کیا جاتا ہے (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اوّل۔ ص ۹۵) علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا گھر نہ ہونے کی بات بھی خلافِ واقعہ ہے۔ بائبل بتاتی ہے کہ اُنکا گھر تھا' کئی شاگردوں کو انکے گھر انکی رفاقت میں رات گزارنے کی سعادت بھی ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

''وہ دونوں شاگرد اسکو یہ کہتے سن کر یسوع کے پیچھے ہولئے۔ یسوع نے پھر کر اور انہیں پیچھے آتے دیکھ کر ان سے کہا تم کیا ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے اس سے کہا اے ربی (یعنی اے استاد) تو کہاں رہتا ہے؟۔ اس نے ان سے کہا چلو دیکھ لوگے۔ پس انہوں نے آکر اسکے رہنے کی جگہ دیکھی اور اس روز اسکے ساتھ رہے''

(یوحنا ۱: ۳۷ تا ۳۹)

دوسرا واقعہ ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شاگردوں کے ساتھ کشتی پر سوار تھے کہ جھیل میں بڑا طوفان آ گیا اور حالت پریشان کن ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ جس وقت وہ آرام فرما رہے تھے اس وقت کائنات کا نظام کون چلا رہا تھا؟ خدا کی ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہے جو سونے کی کمزوری سے پاک ہے۔ وہی خالق کائنات ہے اور کائنات کے نظام کو سنبھالنے والا بھی ہے۔ مگر مسیحی مفسرین لکھتے ہیں کہ ''کشتی کے مسافروں کو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کشتی میں کائنات کا مالک اور سنبھالنے والا معمولی مسافر ہمارے ساتھ موجود ہے'' (تفسیر ولیم میکڈنلڈ۔ جلد اول۔ ص ۹۶) یہ تو شاگردوں کی ہوشمندی تھی کہ انہوں نے گھبراہٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جگا کر ان سے دعا کروائی اور یہ معجزہ ہوگیا ورنہ اگر انکے حواس بے قابو ہو جاتے اور وہ انکو جگا نہ پاتے تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ یہ طوفان کشتی کے مسافروں کو انکے سوئے ہوئے خدا سمیت پانی کی نذر کر دے۔

تیسرا واقعہ یہ ذکر کیا گیا کہ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ میرے والدِ بزرگوار کا انتقال ہوگیا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیں کہ میں جا کر اپنے والد کی تدفین کروں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آڑے وقت میں بھی اجازت نہ دی بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''مُردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے'' یعنی روحانی طور پر مردہ لوگ اپنے جسمانی مردہ کو خود ہی دفن کر دیں گے یہ دنیاوی کام دنیاداروں کیلئے رہنے دو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب یہ تعلیمات انسانوں کے خاندانی نظام، سماجی تعلقات کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے:۔

''اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا'' (لوقا ۱۴:۲۶)

حقیقت یہ کہ صلہ رحمی کرنا' قرابت داری کی رعایت کرنا' والدین کے حقوق ادا کرنا' تعلقات نبھانا بہترین ضروری اخلاق اوراعلیٰ لازمی اقدار ہیں۔تمام آسمانی شریعتوں میں انکی بار بار تاکید آئی ہے۔خود بائبل میں بھی کئی جگہ حکم موجود ہے مگر اسکے برعکس ان اقوال نے انسانی معاشرت کے بنیادی رکن ''خاندان'' کے خلاف ایک جذباتی فضا پیدا کر کے اسے عدمِ استحکام اور بے اتفاقی کا شکار کردیا۔عیسائی فلسفی برٹرینڈ رسل لکھتا ہے

Family affection was decried by christ himself and by the bulk of his followers.

{Bertrend Russel:Why I Am Not A Christian,p.26.}

''خاندانی محبت کی خود مسیح اور انکے پیروکاروں کی اکثریت نے بھی مذمت کی''

مسیحی مفسرین کے بقول یہ شخص اس حکم کو قبول نہ کرسکا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر چلا گیا۔کاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگرد کے والد کی وفات کی خبرسن کر اسے تسلی دے دیتے' اسے تدفین کے عمل سے فارغ ہوکر جلد واپس آنے کا کہتے بلکہ اسکے ساتھ چل کر کسی طرح سے اظہارِ ہمدردی کردیتے تو وہ شخص نہ صرف یہ کہ انکا گرویدہ ہوجاتا بلکہ ایک بہترین شاگرد ثابت ہوتا اور اُن نالائق شاگردوں کے کردار کا مظاہرہ نہ کرتا جن میں سے ایک نے غداری کرتے ہوئے صرف تیس روپے لیکر انہیں پکڑوادیا۔(متی ۱۰:۴) دوسرے نے مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار اُنکا انکار کیا' لعنت کی اور قسم کھا کر اظہارِ لاتعلقی کیا (مرقس ۱۴:۶۶) اور جب انکو یہودِ بے بہبود نے گرفتار کیا تو یہ سب شاگرد انتہائی بے وفائی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے خداءِ قادر کو چھوڑ کر بھاگ گئے (متی ۲۶:۵۶) حتی کہ ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین (معمولی) چادر اوڑھے ہوئے انکے پیچھے ہولیا مگر جب اسے لوگوں نے پکڑنا چاہا تو وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا (مرقس ۱۴:۵۱) اس طرح انکے مصلوب ہونے کا مفروضہ بھی باطل ہوجاتا ہے کیونکہ جب سب مخلص رفقاء چھوڑ چھاڑ کر

بھاگ نکلے تو اِس واقعہ کا چشم دید گواہ کون ہے؟ قرآنِ مجید سچ کہتا ہے

مَالَهُم بِهِ مِن عِلمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَاقَتَلُوهُ يَقِيناً (القرآن ۴:۱۵۷)

''کچھ نہیں انکو اسکی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اسکو قتل نہیں کیا بے شک''

ظلم یہ ہے کہ مسیحی حضرات انہیں پھانسی پر لٹکانے کے بعد تین دن کیلئے قبر میں دفن بھی کرتے ہیں۔ جب خدا مر گیا تھا اور قبر میں مدفون تھا تو اس وقت نظامِ کائنات کو کون چلا رہا تھا؟ حق تو یہ ہے کہ اللہ ربّ العالمین ہی پورے نظامِ ہستی کا خالق و مالک ہے اور اسکا بلاشرکتِ غیر با اختیار بادشاہ ہے۔ اسے موت تو کیا نیند اور اونگھ تک نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کا کسی دوسرے خدا کو پیدا کرنا اُسکی شانِ الوہیت کے سخت منافی ہے۔ عقلِ سلیم خود اسکی گواہی دیتی ہے۔ لہٰذا اُسکی ذات کے متعلق ایسا اعتقاد انتہائی گستاخی اور گالی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مصلوب ہو جانے والے مر کر دفن ہونے والے انتہائی کمزور خدا کے تعاون کی کوئی ضرورت نہیں' بالکل کوئی ضرورت نہیں۔

یسوع ناصری

مسیحی علماء کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عہدِ قدیم میں کئی بشارات اور پیشگوئیاں موجود ہیں۔ مگر یہودی علماء اسے تسلیم نہیں کرتے اور ان پیشینگوئیوں کا مصداق کچھ اور بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''جب ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں تو اگر مسیح کے متعلق بشارات پرانے عہد نامے میں ہوتیں تو ہم تمہارے مسیح پر ضرور ایمان لاتے۔ ہمیں خوامخواہ کا فرجنے کی کیا ضرورت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے یسوع مسیح کے متعلق عہدِ قدیم میں کوئی پیشینگوئی یا بشارت موجود نہیں'' لہٰذا وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں اور انکو خدا یا رسول تو کجا شریف انسان ماننے کو بھی تیار نہیں۔ بلکہ بزعم خود انکے قتل کو اپنا

قابلِ فخر کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف مسیحی مفکرین اپنی تحقیقی نظروں سے دیکھتے ہیں تو صحائفِ سابقہ میں اپنے خداوند یسوع مسیح کیلئے جابجا خبریں پاتے ہیں۔ اپنے دعویٰ میں یہود و نصاریٰ میں سے کون سچا ہے اس بحث کو چھوڑ کر ہم صرف ایک پیشینگوئی ذکر کرتے ہیں

''جب ہیرودیس مرگیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دیکر کہا کہ۔ اٹھ اس بچے اور اسکی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مرگئے۔ پس وہ اٹھا اور بچے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں آ گیا۔ مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں ہدایت پاکر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہو گیا۔ اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جابسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا''

(متی ۲:۱۹تا۲۳)

اسکا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتایا جاتا ہے اسی وجہ سے اُنکو یسوع ناصری کہا جاتا ہے۔ مگر قابلِ تحقیق بات یہ ہے کہ وہ کون سا صحیفہ ہے جس میں یہ پیشینگوئی درج ہے؟ وہ کون سا نبی ہے جسکی معرفت یہ کہا گیا ہے کہ وہ ناصری کہلائے گا؟ آپ پوری بائبل از اول تا آخر پڑھ ڈالیں اس پیشینگوئی کا کہ ''وہ ناصری کہلائے گا'' نام و نشان تک نہیں ہے۔ یہ الفاظ عہد نامہ قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ملتے (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۸) نامعلوم کون سا الہامی صحیفہ یا کچی کتاب مصنفِ انجیل جناب ''متی'' صاحب کے پیشِ نظر تھی جس میں یہ پیشینگوئی لکھی ہوئی تھی اور آج وہ کھوگئی یا بدل گئی۔ مفسرین صاف لکھتے ہیں کہ ''اس پیشینگوئی کا ماخذ معلوم نہیں'' (انجیلِ مقدس۔ مطالعاتی اشاعت۔ ص۹) پادری ڈاکٹر ایچ۔ یو۔ سٹیئنٹن لکھتے ہیں ''عہد نامہ قدیم میں کہیں اس بشارت کا پتہ نہیں چلتا'' (تفسیر متی۔ ص ۷۷) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں متی نے یسعیاہ ۱۱:۱ کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ انتہائی رکیک تاویل ہے کیونکہ وہاں تنے کی کونپل اور شاخ کا ذکر ہے یہاں ''ناصرۃ'' شہر کا نام (اسمِ معرفہ) کا ذکر ہے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تعلق نکالنا دور کی کوڑی

لانے کے مترادف ہے یہی حال دوسری تاویلات کا ہے۔ ہاں البتہ پادری ایف ایف بروس نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ "یونانی مسیحی کہا کرتے تھے کہ وہ پیشینگوئیاں جو مسیح کی آمد کے بارے میں ہیں ان میں یہودیوں نے دیدہ ودانستہ ردّ وبدل کردیا ہے" (طلوعِ مسیحیت ص ۸۲) پادری موصوف نے بات تو درست لکھی مگر ناتمام لکھی۔ دراصل یہ دیدہ ودانستہ ردّ وبدل کرنا صرف یہودیوں کا ہی کام نہیں بلکہ عیسائیوں نے بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مثلاً توریت کی پانچویں کتاب "استثناء" کے باب ۳۳ کی آیت ۲ کا متن کیا ہے؟ کسی بائبل میں لکھا ہے "اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" کسی میں لکھا ہے "اور مریبہ قادیش میں آیا" گویا پوری بات ہی بدل دی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری اور اکثر نسخوں میں لکھا ہے "دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا" کیونکہ سچ بات چھپائے نہیں چھپتی۔ اس آیت کیساتھ یہ ناروا سلوک کیوں ہے؟ حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہاں ایک پیشینگوئی کا ذکر ہے جسکا مصداق سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں کیونکہ وہی ۸ ھ دس رمضان المبارک میں دس ہزار قدسی صفات ساتھیوں کے ساتھ مکہ معظمہ میں بغیر تلوار چلائے فاتحانہ شان وشوکت کیساتھ داخل ہوئے تھے اور خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا تھا جیسا کہ پادری فنڈر "میزان الحق" میں اور پادری برکت اللہ اپنی کتاب "محمدِ عربیؐ" میں اسکا اعتراف کرتے ہیں اور دیگر عیسائی مؤرخین نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں "میرا محبوب سرخ وسفید ہے۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے" (غزل الغزلات ۵:۱۰) اور آگے اس محبوب کے متعلق طویل مدح وتوصیف کرتے ہیں پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا اسمِ گرامی "**محمدیم**" ذکر کر کے محبوب کے نام کی تعیین کرتے ہیں۔ مسیحی حضرات کو یہ تسلیم نہیں لہٰذا انکے لیے خدا کے "لاتبدیل کلام" میں اس طرح دیدہ ودانستہ ردّ وبدل کرنا ایک ناگزیر ضرورت تھی

قانونِ طلاق

مسیحی علماء اکثر و بیشتر عیسائی مذہب کی خوبیاں گناتے ہوئے لکھتے رہتے ہیں کہ مسیحیت دینِ فطرت ہے کیونکہ یہ وحدتِ ازدواج کی تعلیم دیتا ہے اور طلاق کی ممانعت کرتا ہے اس طرح رشتوں میں پائیدار محبت استوار ہوتی ہے۔ جہاں تک وحدتِ ازدواج یعنی صرف ایک بیوی رکھنے کا تعلق ہے تو اسکی بنیاد بائبل یا مذہبی تعلیم نہیں بلکہ یہ تو عیسائیوں کے بہت بعد کے زمانوں میں طے کردہ خود ساختہ قوانین ہیں ورنہ بائبل تو تعددِ ازواج کے حوالوں سے بھری پڑی ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں سارہ، ہاجرہ اور قطورہ تھیں (پیدائش ۱۱:۲۹، ۱۶:۳، ۲۵:۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں لیاہ، راحیل، بلہاہ اور زلفہ تھیں (پیدائش ۲۹:۱۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں صفورہ اور کوشی عورت تھیں (خروج ۲:۲۱، گنتی ۱۲:۱) حضرت داؤد علیہ السلام کی نو سے زائد بیویاں تھیں (۲ سموئیل ۳:۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں (۱۔سلاطین ۱۱:۳) وغیرہ۔ اسی طرح ہندومت کے مذہبی لٹریچر میں بھی متعدد بیویوں کی اجازت موجود ہے اور ہندو راجاؤں نے اس اجازت سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ مصریوں، بابلیوں، پارسیوں، یہودیوں میں بھی تعدد ازواج کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی کسی قوم، کسی مذہب کے پاک نوشتوں میں تعددِ زوجات کے خلاف اشارہ تک نہیں۔ اسلام مخصوص شرائط کے ساتھ محدود تعدد ازواج کی صرف اجازت دیتا ہے فرض یا لازم قرار نہیں دیتا۔ اگر کسی شخص کی بیوی بانجھ ہو یا کسی دائمی مرض میں مبتلا ہو تو اس صورت میں دوسری بیوی کی ضرورت کا کون عقلمند شخص انکار کرسکتا ہے۔ دنیا کے تمام معاشروں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اگر "ایک بیوی" کے اصول پر عمل کیا جائے تو کتنی ہی عورتیں بے شوہر رہتی ہیں۔ کسی عورت کا عدل پر

منی حقوق کے ساتھ شادی شدہ مرد کی بیوی بننا بہتر ہے یا سب لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بننا بہتر ہے؟ علاوہ ازیں قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ صرف ایک شادی کرو

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (القرآن ۴:۳)

''پھر اگر ڈر ہو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو''

کسی دوسری مذہبی کتاب میں صرف ایک بیوی پر قناعت کرنے کا حکم موجود نہیں۔ بائبل میں ازدواج و نکاح (شادی) کے متعلق تو کوئی ہدایت نہیں دی گئی تاہم فسخ نکاح ''طلاق'' کے متعلق ایک ارشاد اس طرح مذکور ہے:-

''اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرلے وہ بھی زنا کرتا ہے''

(متی ۱۹:۹)

کتنے ہی پیچیدہ خانگی مسائل پیش آجائیں، کیسی ہی دشوار ترین صورتِ حال کیوں نہ ہو جائے بیوی کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اگر ایسا کیا تو اسکے بعد جس عورت سے بھی شادی کی خالص زنا ہوگا بلکہ مطلقہ عورت سے اگر کوئی دوسرا شخص شادی کرلے تو وہ بھی زنا کا مرتکب ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے انجیل کے اس حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے بیوی کو بلاوجہ چھوڑ دیا تب بھی یہ مظلومہ کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی ورنہ خود بھی زانیہ ہوگی اور اس سے شادی کر کے ہمدردی کرنے والا بھی زانی ہوگا۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی زنا کا ارتکاب نہ کرے مگر غیر مرد کے ساتھ سیر و سیاحت پر جاتی ہو، خفیہ تعلقات رکھتی ہو، چوری کرنے کی عادی ہو، پختہ برے اخلاق کی مالک ہو، خاوند کی پہلی بیوی کے بچوں سے سخت حسد رکھتی ہو، شوہر کے معزز رشتوں کی توہین کرتی ہو، آئے دن خواہ مخواہ لڑائی جھگڑے کی

عادی ہو وغیرہ وغیرہ اور ہر طرح کی فہمائش واصلاح کے باوجود کہا نہ مانتی ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ آیا ایسی بیوی کو اپنی گردن کا طوق بنا کر ہمیشہ کیلئے اپنی زندگی کو مصیبت وعذاب بنائے رکھے یا بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری عورت سے شادی کر کے زنا کرے یا پہلی بیوی کو چھوڑ دے دوسری سے شادی نہ کرے اور جنسی خواہش کی تسکین کیلئے ''گرل فرینڈز'' ڈھونڈ لے یا بائبل کے دوسرے الہامی نسخے کے مطابق خود کو خوجہ (خصی) کر لے (متی ۱۹:۱۲) آخر کیا کرے؟

حقیقت یہ ہے کہ طلاق دینا اور بیوی کو چھوڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو جائز چیزوں میں سے سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا زنا کے علاوہ بھی مشکل مسائل پیش آسکتے ہیں ایسی صورت میں اگر علیحدگی کے علاوہ کوئی حل نہ ہو تو مجبوراً طلاق کی اجازت بھی ہے۔ یہودیت میں بلا روک ٹوک طلاق کی اجازت تھی عیسائیت نے بالکل ممانعت کر دی اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار فرمائی کہ اسے ناپسند قرار دیتے ہوئے سخت مجبوری کے اوقات میں گنجائش دی۔ مگر بائبل کی یہ تعلیم ایسی غیر منطقی اور غیر فطری ہے کہ جس پر خلوص سے عمل کرنے کا جذبہ بھی ہو تو بھی بہت مشکل ہے چنانچہ مسیحی اقوام نے اس تعلیم کو مطلقاً خیر باد کہہ دیا ہے۔ آج عیسائی ممالک میں شرح طلاق سب سے زیادہ ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر علیحدگی ہو جاتی ہے۔

بے جا غصہ

ایک دفعہ حضرت مسیح علیہ السلام گدرینوں (گراسینیوں) کے علاقے میں پہنچے تو انکو بدروح والے آسیب زدہ آدمی ملے۔ ایک الہام کے بقول وہ دو آدمی تھے (متی ۸:۲۸) دوسرے کے بقول ایک آدمی تھا جس میں ناپاک روح تھی (مرقس ۵:۲) دونوں میں کھلا تضاد ہے

ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے۔ بہر حال حضرت عیسی علیہ السلام نے بڑی عنایت کی کہ ان سے بدروحوں کو نکال دیا اور وہ تندرست ہو گئے مگر سامنے دو ہزار سؤروں (خنزیر) کا ریوڑ چر رہا تھا' چرواہے بھی موجود تھے۔ آپ نے ان بدروحوں کو اپنی خدائی قدرت' الٰہی طاقت کے ذریعے مارنے یا مغلوب و مقید کرنے یا علاقہ سے باہر جانے (مرقس ۵:۱۰) یا اتھاہ گڑھے میں جانے (لوقا ۸:۳۱) کا حکم دینے کی بجائے وہاں بھیج دیا۔ وہ تمام بے قصور جانور بد کے' بدحواس ہو کر بھاگے اور پانی میں ڈوب کر سب ہلاک ہو گئے۔ ریوڑ کے مالکوں کا اچھا خاصا نقصان ہوا انہوں نے سارے شہر والوں کے ساتھ آ کر منت کی کہ اے خدا! خدا کیلئے ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا (متی ۸:۳۴) بے ضابطہ قدرتوں والے خدا سے اسکے علاوہ اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسکے تو سارے کام ہی ایسے ہیں مثلاً اسکی ایک شان یہ ہے

"دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی۔ اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے۔ مگر جب اسکے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا آیندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اسکے شاگردوں نے سنا"

(مرقس ۱۱:۱۲تا۱۴)

غور فرمایئے! یہاں کئی چیزیں قابلِ توجہ ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے کہ انہیں بھوک لگتی تھی اور وہ بھوک سے بے تاب ہو کر درخت کا بے موسم پھل ڈھونڈتے تھے۔ اسی طرح انکو پیاس بھی لگتی تھی (یوحنا ۱۹:۲۸) جو کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے وہ بے شمار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ جس ہستی کیساتھ طرح طرح کی کمزوریاں اور ضرورتیں لگی ہوں وہ خداءِ بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے؟ سر سے لیکر پاؤں تک ہر اعتبار سے انسان شخصیت کو خدا کہنا عجیب و غریب حماقت' جہالت ہے اور عقلِ انسانی کی توہین ہے۔ صرف ذہنی بیمار ہی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ "یسوع خدا اور انسان دونوں تھا اور ہے وہ تمام الٰہی صفات' بشری خصائص رکھتا تھا۔ اسکی الوہیت جسمانی

بدن میں چھپی ہوئی تھی۔ کبھی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ وہ کامل خدا نہ ہو' قرآن مجید کس خوبی کیساتھ حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (القرآن ۵:۷۵)

''مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور انکی ماں ایک ولیہ (پاکدامن' راستباز' سچی نیک بندی) تھیں۔ وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم کس طرح صاف صاف دلائل انکے سامنے بیان کر رہے ہیں اور انکو دیکھو کہ یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔''

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے جو ایک اہم ترین خدائی صفت ''علم کامل محیط'' نہ رکھتے تھے۔ سچے خدا کی شان یہ ہے کہ وہ ہر پوشیدہ و ظاہر بات بلکہ دلوں کے بھید اور آنکھوں کی خیانت سے بھی باخبر ہے۔ غیب کی ہر چیز اسکے ہاں حضور و شہود کے درجے میں ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر نبیوں اور رسولوں کی طرح قیامت کی گھڑی کے متعلق اپنی ناواقفیت ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

''لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ''
(مرقس ۱۳:۳۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اُنکا علم محدود تھا بلکہ وہ تو انجیر کے موسم تک سے بے خبر ہیں اور بلاوجہ درخت جیسی بے شعور چیز پر غصہ اتارتے ہیں' بددعا دیتے ہوئے لعنت کرتے ہیں۔

اس واقعہ کی تفسیر کرتے ہوئے فاضل مفسر کی پریشانی اور بے بسی کا اندازہ لگائیے فرماتے ہیں:۔

''یہاں ایک بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ خداوند نے اس درخت پر پھل نہ ملنے کیوجہ سے لعنت کی جبکہ واضح طور پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ'' کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا'' اس طرح نجات دہندہ غیر معقول حرکت کا مرتکب اور

بد مزاج نظر آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ لیکن ہم ان عجیب و غریب واقعات یا حالات کی کیا توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟ .... یہ واحد معجزہ ہے کہ جس میں مسیح نے برکت دینے کی بجائے لعنت کی اور زندگی کو بحال کرنے کی بجائے ہلاک کر دیا۔ یہ بات ایک بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی تنقید سے مسیح کی ذات کے بارے میں بے علمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خدا ہے اور کائنات پر اختیار کلی رکھتا ہے۔ اُس کے بعض کام ہمارے لئے نہایت پراسرار ہیں۔ لیکن ہمیں اس یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے کہ اُس کے سارے کام درست ہوتے ہیں''

(تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۲، ۲۰۸)

جب حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں اور کائنات پر کلی اختیار رکھتے ہیں تو وہ اپنی قدرت کا ظہور یوں بھی کر سکتے تھے کہ بے چارے درخت کو دعا دے دیتے وہ بطور معجزہ پھل لے آتا۔ آنجناب خود بھی بھوک مٹا لیتے دوسروں کے بھی کام آتا۔ اگر آپ خدا ہیں تو خدا کا کام تو برکتیں بانٹنا ہے' اگر آپ رسول ہیں تو اسکے تو قدم قدم پر نزول رحمت ہوتا ہے لیکن یہاں وہ لعنت کرتے ہیں اور اُس درخت سے لوگوں کو ہمیشہ کیلئے محروم کر دیتے ہیں حالانکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ موسم آنے پر وہ درخت ضرور پھل دیتا۔ مگر قارئین کو مفسر علام کی ہدایت کے مطابق یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے اور سب کاموں کو ''درست'' سمجھنا چاہیئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہی واقعہ انجیل متی میں بھی مذکور ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ انجیر کا درخت اسی وقت بد دعا ملتے ہی سوکھ گیا اور شاگردوں نے دیکھ کر اظہار تعجب کیا (متی ۲۱:۱۹) ''مرقس'' بتاتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ دوسرے روز وہاں سے گزر ہوا تو درخت سوکھا ہوا نظر آیا چنانچہ لکھا ہے

''پھر صبح کو جب وہ اُدھر سے گذرے تو اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا۔ پطرس کو وہ بات یاد آئی اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے''

(مرقس ۱۱:۲۰)

متضاد باتوں میں صداقت ہی کیا ہوتی ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ یہ سارا واقعہ ہی بے بنیاد اور

غلط ہے۔لہٰذا ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بدگمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں وہ خدا کے عظیم بندے اور پیارے رسول تھے۔انکی ذاتِ مبارک رحمتوں کا پیکر تھی۔خدا کی نوازشوں کا ہر دم ان پرُ ورود تھا۔انکی ذاتِ گرامی کو لعنت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔وہ جہاں گئے خیر ہی خیر' رحمت ہی رحمت' برکت ہی برکت ہوتی گئی۔**سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیہِ**

قومی تعصّب

کہا جاتا ہے کہ بائبل ایک عالم گیر کتاب ہے۔عیسائیت ایک ہمہ گیر مذہب ہے مگر حقیقت اسکے برعکس ہے کیونکہ پرانے عہد نامہ میں ساری گفتگو صرف بنی اسرائیل سے ہے۔اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ ''اسرائیل کا خدا'' اور ''اسرائیل کا خداوند'' کہہ کر پکارا گیا ہے حالانکہ وہ سارے انسانوں اور ساری قوموں کا خداوند خدا ہے۔قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا گیا کہ ''خدا تعالیٰ عربوں کا خدا یوں کہتا ہے'' بلکہ یہ فرمایا گیا کہ ''اے انسانو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا' اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ'' وغیرہ۔اسی طرح نئے عہد نامہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔انکی بعثت و رسالت فقط یہود کیلئے تھی دوسری قوم کو منادی کرنا انکے مشن میں شامل نہ تھا چنانچہ وہ اپنے بارہ منتخب شاگردوں کو یہ حکم دے کر بھیجتے ہیں۔

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا'' (متی ۱۰:۵)

شاگرد اس ہدایت پر کاربند رہے اور یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے (اعمال ۱۱:۱۹) جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انکا اپنا واقعہ اس طرح آیا ہے

''پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا۔اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے۔مگر اس نے

اسے کچھ جواب نہ دیا اور اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کردے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو انکے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے۔ جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اسکی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی'' (متی ۱۵:۲۱ تا ۲۸)

پہلی بات یہ ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ متی کے الہام کے مطابق ''کنعانی'' تھی۔ مرقس کے مطابق یہ عورت ''یونانی'' تھی (مرقس ۷:۲۶) دونوں میں بڑا فرق ہے کیونکہ کنعان فلسطین کا قدیم نام ہے اِن دنوں یہ علاقہ اسرائیل اور اردن کی عملداری میں ہے جبکہ یونان جنوب مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے (بائبل اٹلس۔ ص ۳۱ '۳۶) دونوں میں کھلا تضاد ہے معلوم نہیں کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟ کون بتا سکتا ہے کہ رُوح القدس نے کس کو درست الہام لکھوایا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود فرمارہے ہیں کہ میں صرف اور صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ میری مہربانیاں' معجزات' نبوّت ورسالت' دعوت وتبلیغ' نجات وفضل صرف اور صرف یہود کیلئے ہے۔ غیر اسرائیلیوں کیلئے نبی ہونا تو دور کی بات ہے وہ اس بات پر بھی آمادہ نہیں کہ غیر قوم کی ایک انتہائی مصیبت زدہ عورت کو اپنے کسی عمل کے ذریعے فائدہ ہی پہنچا دیں اسکی وجہ مفسر کی زبانی سنیے :-

''اس عورت کو حوصلہ شکنی کا سامنا ہوا۔ یسوع کی خدمت کے سارے واقعات میں اور کہیں ایسی مثال نہیں ملتی۔ جتنے لوگ بھی اسکے پاس آتے تھے وہ ان سب کی حمایت اور حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ وہ ان کے پکارنے سے پہلے سن لیتا تھا یا ابھی بول ہی رہے ہوتے تھے کہ سن لیتا تھا لیکن اس عورت سے بالکل الٹ سلوک کیا گیا۔ اسکی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یسوع اس غریب عورت کے کام آنے سے اس لئے ہچکچایا کہ یہودیوں کو

ناراض کرنا یا ٹھوکر کھلانا نہیں چاہتا تھا یعنی اگر وہ غیر قوموں پر بھی ویسا ہی مہربان اور بخشش کرنے والا ہوجیسے یہودیوں کیلئے تھا تو وہ ناراض ہوجائیں گے''

(تفسیر الکتاب۔میتھیو ہنری۔ج ۳۔ص ۱۷۴)

اللہ اکبر! ''خدا'' کی ہستی کے قومی تعصب کا اندازہ لگایئے کہ اسکے نزدیک صرف یہود ہی زمین پر خدا کے برگزیدہ لوگ ہیں' وہی بارگاہِ خدا میں خاص اعزاز اور مرتبہ رکھتے ہیں' اس کے دسترخوان پر کسی دوسری قوم کے کسی شخص کو کوئی حق منفعت حاصل نہیں ہے۔ اسکی عنایت مکمل طور پر یہودیوں کیلئے ہے۔ یہود کی ناراضگی کے ڈر سے وہ کسی غیر یہودی پر مہربانی اور بخشش کرنے کو تیار نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف طور پر ایسا حوصلہ شکن جواب دیتے ہیں جس سے مصیبت کی ماری خاتون کی توقعات چکنا چور ہوجاتی ہیں حالانکہ اس نے بڑی عاجزی وفروتنی' عقیدت وادب' ایمان ومحبت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ انکے قدموں میں گر کر سجدہ ریز بھی ہوئی اور انکے پاس ایسے آئی جیسے مخلوق اپنے خالق کے پاس آسکتی ہے۔ مگر سنگدلی وبے مروتی کی انتہاء دیکھئے کہ وہ ایک دلخراش تمثیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کے آگے ڈال دینا اچھا نہیں'' اس تمثیل کا مطلب ایک مفسر سے سنیئے لکھتے ہیں:-

''یسوع اُس سے کہنے لگا کہ میرے لئے مناسب نہیں کہ یہودی ''لڑکوں'' کو چھوڑ کر غیر قوم ''کتوں'' کو روٹی کھلاؤں۔ بے شک یہ الفاظ اور انداز ہمیں بے حد سخت معلوم ہوتے ہیں' مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سرجن کے نشتر کی مانند ہیں جس کا مقصد زخم لگانا نہیں بلکہ شفا دینا ہوتا ہے۔ وہ تھی غیر قوم۔ یہودی غیر قوموں کو کتوں کے برابر گردانتے تھے جو خوراک کے ٹکڑوں کی خاطر گلیوں میں آوارہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ مگر یسوع نے یہاں جو لفظ استعمال کیا' اسکا مطلب ''چھوٹے پالتو کتے'' ہے۔ (تفسیر الکتاب۔ولیم میکڈونلڈ۔جلد اول۔ص ۱۶۸)

مفسر نے سینہ زوری کرتے ہوئے تاویل بلا دلیل کرلی کہ انکی مراد ''جنگلی وخونخوار کتے'' نہیں بلکہ ''چھوٹے پالتو کتے'' ہے۔ مگر حاصل کچھ نہیں اور بات وہی رہی کہ

اسرائیلیوں (یہودیوں) کے علاوہ سارے انسان کتے ہیں۔اس میں یورپ وایشیا کے تمام عیسائی بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی ''غیر قوم'' ہیں۔لہٰذا انکے ''کتا'' ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہاں البتہ مفسر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منشاء کے خلاف اتنی رعایت دی ہے کہ وہ جنگلی کتے نہیں بلکہ پالتو کتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہوگی کہ کتوں کو بلاضرورت بہت شوق سے پالنا انکی معاشرت ہے اور انکو ہر وقت ساتھ رکھ کر جی بہلانا انکی تہذیب ہے۔

قارئین محترم! بائبل ایسی کتاب ہے کہ جسکے نزدیک یہود خدا کے ''بیٹے'' ہیں اور دوسرے تمام انسان ''کتے'' ہیں۔اسکے مقابلے میں قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کو برابر شرف وفضیلت بخشتا ہے۔قرآن اس مضمون سے بھرا پڑا ہے ایک جگہ ارشاد ہے

وَلَقَد كَرَّمنَا بَنِى اٰدَمَ وَحَمَلنٰهُم فِى البَرِّ وَالبَحرِ وَرَزَقنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلنٰهُم عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّن خَلَقنَا تَفضِيلاً

(القرآن ۱۷:۷۰)

''اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی''

دوسری جگہ ارشاد ہے

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّاُنثٰى وَجَعَلنٰكُم شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكرَمَكُم عِندَ اللّٰهِ اَتقٰكُم اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(القرآن ۴۹:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی' پرہیز گار ہے۔بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے باخبر ہے''

اس طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ بہر حال قرآن میں کہیں یہ نہیں ملے گا کہ صرف قریش یا عرب خدا کے حضور برگزیدہ بندے ہیں اور انکے علاوہ سب انسان کتے ہیں۔ اسی طرح رحمتِ کائنات محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ صرف میری قوم قریش یا عرب خدا کے خاص اعزاز کے مستحق ہیں اور انکے سوا سب کتے ہیں **نعوذباللہ** بلکہ تاریخ کے دریچے میں جھانکیئے! آپ کو کچھ اور ہی منظر نظر آئے گا۔ حجۃ الوداع کا موقع ہے، عرفات کا میدان ہے، ایک لاکھ سے زائد انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، وہ اپنے عظیم تاریخی معرکۃ الآراء خطاب میں پوری دنیا کو عالمی انسانی منشور دیتے ہوئے فرماتے ہیں

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُم وَاحِدٌ وَاَبَاکُم وَاحِدٌ. اَلَا لَا فَضلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا اَسوَدٍ عَلٰی اَحمَرٍ وَلَا اَحمَرَ عَلٰی اَسوَدٍ اِلَّا بِالتَّقوٰی (مجمع الزوائد)

''اے لوگو بے شک تمہارا پروردگار خدا ایک ہے اور تمہارا والد (آدم) ایک ہے۔ خوب سن لو! کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے (سرخ) پر، گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ذریعے''

اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ انکا دوسرا ارشاد نقل کرتے ہیں

کُلُّکُم بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِن تُرَابٍ، وَلَیَنتَھِیَنَّ قَومٌ یَفخَرُونَ بِآبَائِھِم اَو لَیَکُونَنَّ اَھوَنَ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الجِعلَانِ

(مسندِ بزار)

''تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ کے ہاں کیڑوں مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر

ہو جائیں گے‘‘

تیسری بات یہ ہے کہ اِس عورت کی ذہانت، ہنرمندی، تیز فہمی اور حاضر جوابی کو داد دینا نہ بھولیے کہ اس نے کہا کہ میں روٹی یا نوالہ نہیں مانگتی بلکہ کھانے کی میز سے گرنے والا ’’ٹکڑا‘‘ چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے ’’کتیا‘‘ ہونے کا اعتراف ہے اور خدا کے خاص اعزاز سے بلا جرم بلا سبب محروم ہونے کا احساس ہے۔ مگر ’’کتا‘‘ گرے ہوئے ٹکڑوں کا تو مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی بہترین منطق سے ’’خدا‘‘ کو ایسا عاجز ولا جواب کیا کہ وہ آخر کار مجبور ہو کر اپنی پہلی بات کو جھٹلاتے ہوئے شفا دینے پر رضامند ہو گیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مرقس نے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوں جواب دیا کہ ’’پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے کیونکہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں‘‘ اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ پہلے بنی اسرائیل (یہود) کا حق ہے پھر دوسروں کو بھی کچھ مل سکتا ہے۔ مگر خدا بھلا کرے ’’متی صاحب‘‘ کا کہ انہوں نے اس ممکنہ امید کو بھی توڑ دیا اور تمام اقوامِ عالم کیلئے خالص مایوسی کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کیلئے بھیجے گئے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو خوشخبری سناتے ہوئے بھی اس کا لحاظ کرتے ہیں اور یہی کچھ فرماتے ہیں کہ تم میرے ساتھ تختوں پر بیٹھ کر صرف اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے (متی ۱۹:۲۸) لیکن مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مر کر جی اٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں کے پاس آکر باتیں کرتے ہوئے کہا ہے کہ ’’تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور انکو باپ، بیٹا، روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو‘‘ (متی ۲۸:۱۹) مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ آیت مذکورہ بالا تمام احکام سے متضاد ہے نیز مسیحیت کے بڑے بڑے محققین اس آیت کے جعلی، الحاقی ہونے پر اتفاق کر چکے ہیں مثلاً

مسٹر پیک نے اپنی تفسیر بائبل (مطبوعہ ۱۹۱۹ء لندن۔ص ۲۳ ۷) میں اسکے الحاقی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ہیسٹنگ (Hasting) نے بائبل ڈکشنری۔ص ۱۰۱۵ پر اسے جعلی تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (مطبوعہ ۱۹۲۹ء چودھواں ایڈیشن۔ ج ۱۳۔ص ۲۳) کے مقالہ نگار نے بڑی تفصیل کے ساتھ اسکے بے ثبوت ہونے پر کلام کیا ہے۔ بعض مسیحی حضرات انجیل مرقس میں اسی مضمون کے ہم معنی دوسری آیت سے بھی سہارا لیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مر کر دوبارہ جی اٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ ''تم دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو'' (مرقس ۱۶: ۱۵) مگر یہاں بھی وہی صورتِ حال ہے کہ بہت سے فاضل مسیحی علماء اور ماہرینِ بائبل کا صاف اعتراف ہے کہ مرقس باب ۱۶ کی آخری بارہ آیات جعلی اور الحاقی ہیں جیسا کہ بائبل کے نظرِ ثانی شدہ معیاری نسخہ (Revised Standard Version) میں لکھا ہے۔ اسی طرح بائبل کے نیو انٹرنیشنل ورژن میں اس طرح لکھا ہے

(The earliest manuscripts and some other ancient witnesses do not have Mark 16:9-20)

''قدیم مخطوطات اور کچھ پرانے نوشتوں (نسخوں) میں مرقس باب ۱۶ کی آیت ۹ تا ۲۰ موجود نہیں''

(N.I.V.Bible P.722)

عربی بائبل (الکتاب المقدس) مطبوعہ لبنان ۱۹۹۵ء کے مترجمین حاشیہ میں لکھتے ہیں

''ماجاء فی الآیات ۹ الی ۲۰ لا یرد فی اقدم المخطوطات'' (ص ۸۲)

دیکھئے! یہ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹیوں کے اہلِ علم اراکین اور دیگر مسیحی علماء و محققین صاف تسلیم فرما رہے ہیں کہ یہ آیات پرانے نسخوں میں موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ بعد میں کسی نامعلوم شخص نے اضافہ کیا ہے۔ اسی کا نام ''تحریف'' ہے۔ یاد رہے کہ مرقس باب ۱۶ کا یہ حصہ مسیحی عقائد کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ اسے الحاقی تسلیم کر لینے کے بعد مسیحیت کی

بنیادیں گر جاتی ہیں۔ بائبل کے بعض مقامات پر تحریف کا ہونا مسیحیوں کو بھی تسلیم ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ گویا یہ ''مسلمہ تحریفات'' میں سے ایک نمونہ ہے۔ اسکے باوجود مسیحی لوگ خودفریبی کرتے ہوئے اعتقاد رکھتے ہیں کہ بائبل کا حرف حرف خدا کا کلام ہے' اسکا مصنف خود خدا ہے' یہ غلطی وتحریف سے پاک ہے اور اس طرح کی لاف وگزاف باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم انکی علمی مفلسی کا کہاں تک غم کرسکتے ہیں دعا ہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو سلامتِ عقل' ہدایتِ فکر اور توفیقِ طلب عطا فرمائے۔ آمین۔ اسکے خزانوں میں کمی نہیں لوگ ہی ارادہ وجستجو نہیں کرتے ورنہ جو اسکی طرف رجوع کرے اسے ضرور اپنی طرف رستہ دکھادیتا ہے۔

خودغرضی

ابھی آپ نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک غیر یہودی عورت کو کس طرح روکھا سا جواب دیکر رد کردیا۔ دوسری طرف بائبل یہ بھی بتاتی ہے کہ شہر کی ایک بدچلن (فاحشہ وطائفہ) یہودی عورت تھی یعنی انکی قوم سے تعلق رکھتی تھی وہ جٹاماسی (سنبل کا بیش قیمت روغن) کا آدھا کلو تین سو دینار کی قیمت کا خالص عطر لیکر آئی۔ انکے پاؤں چومے' قدموں پر سارا عطر ڈالا' پورا گھر عطر کی خوشبو سے مہک گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حاضرین کی خفگی وناراضگی کے برعکس نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ اس عمل کو بخوشی منظور فرمایا' اس عورت کے تمام گناہ معاف کردیے اور فرمایا کہ اس نے مجھ سے بڑی محبت وبھلائی کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ لکھا ہے:۔

''اور جب یسوع بیت عنیاہ میں شمعون کوڑھی کے گھر میں تھا۔ تو ایک عورت سنگِ مرمر کے عطردان میں قیمتی عطر لے کر اُسکے پاس آئی اور جب وہ کھانا کھانے بیٹھا تو اسکے سر پر ڈالا۔ شاگرد یہ دیکھ کر خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ کس لئے ضائع کیا گیا؟ یہ تو بڑے داموں کو بک کر غریبوں کو دیا جاسکتا تھا۔ یسوع نے یہ جان کر ان سے کہا کہ

اس عورت کو کیوں دق کرتے ہو؟ اس نے تو میرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ کیونکہ غریب غربا تو ہمیشہ تمہارے پاس ہیں لیکن میں تمہارے پاس ہمیشہ نہ رہونگا'' (متی ۲۶:۶ تا ۱۱)

اظہارِ عقیدت کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں اس کیلئے اتنی قیمتی چیز کو ضائع کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے۔ پتہ نہیں اس میں کونسی بھلائی ہے جسکا حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ اس عمل کو اسی مجلس میں انکے لائق و مخلص ''شاگردوں'' نے بھی ناپسند کیا' ناراض ہوئے اور صاف منہ پر بولا کہ ''یہ کس لیے ضائع کیا گیا'' یہ عطر بیچا جاتا تو ''تین سو دینار'' کا بک سکتا تھا جو سال بھر کی مزدوری کے برابر ہے اور غریب انسانوں کے اچھا خاصا کام آسکتا تھا۔ آدھا کلو عطر کو ایک ہی آن میں اُنڈیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود غرضی' خود پسندی اور اپنی ذات کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غریبوں کی پرواہ نہ کرو اُنکا کام چلتا رہے گا۔ اس طرح وہ دوسروں کا لحاظ' احساس یا ایثار کرنے کے روادار نہیں۔ یہ واقعہ اس قدر اہم ہے کہ چاروں اناجیل (متی ۲۶:۶' مرقس ۱۴:۳' لوقا ۷:۳۶' یوحنا ۱۲:۱) میں لکھا ہے مگر سب کے بیانات میں انتہائی تضاد اور تناقض ہے مثلاً

پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کس جگہ پیش آیا؟ متی اور مرقس کے مطابق شمعون کوڑھی کے گھر میں پیش آیا۔ لوقا کے مطابق ایک فریسی یہودی کے گھر میں ہوا' یوحنا کے مطابق لعزر کے گھر ہوا جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے بطور معجزہ مردوں میں سے زندہ کیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورت کون تھی؟ متی و مرقس کے مطابق ''ایک عورت'' یعنی نامعلوم شخصیت تھی۔ لوقا کے مطابق ایک ''بدچلن عورت'' تھی۔ یوحنا کے بقول لعزر اور مرتھا کی بہن مریم تھی جو حضرت مسیح علیہ السلام کی مخلص شاگردہ و مریدہ تھی (یوحنا ۱۱:۲) ایک روایت کے مطابق مریم مگدلینی تھی (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ ج ۲ ص ۴۷)

تیسری بات یہ ہے کہ اس عورت نے کیا کیا؟ متی و مرقس کے مطابق حضرت

مسیح علیہ السلام کے سر پر عطر ڈالا اور بس۔ لوقا و یوحنا کے مطابق پاؤں پر عطر ڈالا' پاؤں چومے' اپنے سر کے بالوں سے انکے پاؤں پونچھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حاضرین شرکاءِ مجلس کا ردِ عمل کیا تھا؟ متی کا کہنا ہے کہ شاگرد یہ دیکھ کر ناراض ہوئے اور شکایت کرنے لگے۔ مرقس کا کہنا ہے "بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے" یعنی شاگرد یا غیر شاگرد کی وضاحت نہیں ہے۔ لوقا کے مطابق دعوت کرنے والے فریسی نے یہ منظر دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اسے چھونے والی عورت کون اور کیسی بدچلن ہے۔ گویا اس واقعہ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے خلافِ شان سمجھا اور انکے مرتبہ سے کم تر جانا جبکہ یوحنا کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے غدار' نمک حرام شاگرد یہوداہ اسکریوتی نے اس پر تنقید کی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس عورت کے اس عمل پر حضرت مسیح علیہ السلام کا کیا تاثر تھا؟ متی و مرقس کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے اسکے متعلق فرمایا کہ اس نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اور دفن کیلئے میرے بدن پر پہلے ہی سے عطر مَلا ہے۔ لوقا کے مطابق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک تمثیل ذکر فرمائی' بدگمانی کرنے والے کو اسکا قصور یاد دلایا اور عورت کو گناہ معاف ہونے کی خوشخبری دی۔ یوحنا کی انجیل ان تمام باتوں کے ذکر سے بالکل خاموش ہے۔ شاید خدا نے اُسے ایسی کوئی معلومات بتانے سے بالکل منع کر دیا تھا۔

قارئین! انصاف فرمایئے کہ ایک ہی واقعہ میں اس قدر تضادات اور ایک دوسرے کے مخالف بیانات کے ہوتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مواد الہامی ہے اور اس میں رُوح القدس کی رہنمائی کا کوئی دخل ہے؟ سچ بات تو یہ ہے کہ سنی سنائی روایات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا محض ایک من گھڑت افسانہ کی بنا پر ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر تھے اور ہر

پیغمبر نوعِ انسانی میں سب سے زیادہ اعلیٰ کردار و اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی انتہائی بے غرض، بے نفس، مخلص و شفیق انسان تھے۔ اُن میں ایثار و سخاوت کا وصفِ محمود بدرجۂ اتم موجود تھا کیونکہ نبوت کی تو یہ شان ہے کہ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند شخص نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام سے (قرض لیکر) خریدلو جب کچھ آجائے گا تو میں ادا کر دونگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ تھا آپ دے چکے خدا نے آپکو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی اتنے میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ خوب دیجئے، جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور مالکِ عرش سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (جو ذات عرشِ بریں کی مالک ہے اسکے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہوسکتی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاری کا یہ کہنا بہت پسند آیا اور آپ ہنس پڑے، چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار آشکارا ہوگئے فرمایا ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے'' (شمائل ترمذی)

صَلَّ اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ تَسلِيماً كَثِيراً

سچی پیشگوئی

عہد نامہ جدید کا مرکزی کردار حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ اناجیلِ اربعہ کے مصنفین انکی شخصیت پر طرح طرح سے روشنی ڈالتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:۔

''اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو انکے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اسکے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے

اسے خواب میں دکھائی دیکر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اسکے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اسے بیٹا ہوگا اور تو اسکا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو انکے گناہوں سے نجات دیگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔ پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اسکو نہ جانا جب تک اسکے بیٹا نہ ہوا اور اسکا نام یسوع رکھا'' (متی ۱:۱۸تا۲۵)

متی بتا رہے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں اور رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئیں مگر وہ خود اپنی بات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے''
(متی ۱:۱۶)

جب حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں انکی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی تو پھر شوہر کہاں سے آگیا اور اگر مریم کا شوہر تھا تو پھر مریم کے بیٹے عیسیٰ بن باپ کے کیسے ہوئے؟ جب ایک عورت کا شوہر تجویز کر دیا جائے تو اولاد کا اسکی طرف منسوب ہونا بہت واضح ہے۔ قرآن مجید حضرت مریم کو صدیقہ، طاہرہ، مومنہ، ولیہ، خدا کی برگزیدہ قرار دیتا ہے اور طرح طرح سے انکے فضائل ومناقب ذکر کرتا ہے۔ جبکہ بائبل مقدس انکے بارے میں کوئی قابلِ تعریف بات ذکر نہیں کرتی صرف یہی بتاتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے پینے کیلئے ''شراب'' مانگ رہی ہیں (یوحنا ۲:۳) بلکہ ایک بیان سے تو انکا محض ''مومنہ'' ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا کسی اور چیز کا تو ذکر ہی کیا چنانچہ لکھا ہے

''جب وہ بھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اسکی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اُس سے بات کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟۔ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی

اور میری بہن اور ماں ہے'' (متی ۱۲:۴۶تا۵۰)

دیکھئے! حضرت مسیح علیہ السلام کس طرح اپنی والدہ صاحبہ سے بالکل بے رخی' پوری بے التفاتی' مکمل اعراض کر رہے ہیں اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر فرماتے ہیں کہ یہی لوگ میری ماں اور میرے بھائی ہیں کیونکہ یہی لوگ مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتے ہیں۔ان آیات کی وضاحت میں مفسر کا تشریحی نوٹ بھی ملاحظہ فرمالیں

''اس واقعہ کے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم یسوع کی ماں کے بارے میں دو اہم نکات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔اول۔جہاں تک یسوع کی حضوری میں رسائی حاصل کرنے کا تعلق ہے مریم کو کوئی امتیازی استحقاق حاصل نہیں تھا۔دوم۔یسوع کے بھائیوں کا ذکر مریم کے دائمی کنوارپن کی تعلیم پر ضرب کاری لگاتا ہے۔یہاں یہ مفہوم بہت مضبوط ہے کہ وہ مریم کے حقیقی بیٹے تھے۔اس لئے ماں کی طرف سے یسوع کے بھائی تھے۔صحائف کے دوسرے متعدد حوالے اس نظریہ کو تقویت دیتے ہیں۔دیکھئے زبور ۶۹:۸' متی ۱۳:۵۵' مرقس ۳:۳۱'۳۲' ۶:۳' یوحنا ۷:۳'۵' اعمال ۱:۱۴' ۱۔کرنتھیوں ۹:۵' گلتیوں ۱:۱۹

(تفسیر الکتاب۔ولیم میکڈونلڈ۔جلد اول۔ص ۱۴۲)

قرآنِ حکیم حضرت مریمؑ بتول کا کنوارہ پن ہی بتاتا ہے۔نہ انکے لئے کوئی شوہر ذکر کرتا ہے' نہ کوئی اولاد ثابت کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو خدا کی قدرت کی دلیل بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی نشانی کے طور پر انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔اِسکے برعکس بائبل بتاتی ہے کہ یوسف مریم کے شوہر تھے بلکہ یسوع کو یوسف کا بیٹا بھی کہا اور سمجھا جاتا تھا (لوقا ۳:۲۳) ان بیانات کے درست مان لینے کی صورت میں انکا بن باپ پیدا ہونا غلط یا کم از کم مشکوک ہو جاتا ہے۔سوال یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کیلئے شوہر ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔بائبل یوسف کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بار بار کیوں بتاتی ہے (لوقا ۲:۴۱'۴۸' وغیرہ) اور انکے حقیقی بھائی' خاندان کا تفصیلی خاکہ کیوں پیش

کرتی ہے؟ ایک مفسر گرہ کشائی اور حکیمانہ نکتہ آفرینی کرتے ہوئے اس سوال کا جواب یوں دیتا ہے۔

''مریم کی نیک نامی کو بچایا گیا ورنہ اس پر بہت انگلیاں اٹھتیں۔ مناسب تھا کہ شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے تاکہ دنیا کی نگاہ میں جائز ٹھہرے تاکہ مبارک مریم کو ایک مددگار ساتھی میسر ہو۔

(تفسیر الکتاب میتھو ہینری۔ ج ۳۔ ص ۴)

قارئین یہ ہے اس واقعہ کا پس منظر اور یوسف سے تعلق جوڑنے کی ضرورت کہ مریم نیک نام، راستباز عورت تھیں۔ کنواری حاملہ ہوگئیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان پر بہت انگلیاں اٹھتیں اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ انکی یوسف نامی شخص سے شادی کروادی جائے اور شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے۔ مسیحی قوم کا فرض ہے کہ وہ بتائے کہ یہودیوں کے بہتان اور اس محقق عیسائی مفسر کے اعتراف میں کیا فرق ہے؟

متی اس واقعہ پیدائش کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ نبی کی معرفت کہی گئی بات پوری ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے۔ مسیحی علماء کے مطابق اس سے مراد یسعیاہ نبی کی پیشینگوئی ہے (یسعیاہ ۷:۱۴) جو سات سو سال قبل کی گئی اور حضرت مسیح علیہ السلام پر پوری ہوئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینا متی کی غلط فہمی یا خوش اعتقادی کے سوا کچھ نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ متی نے اور کتاب یسعیاہ کے مترجمین نے جس لفظ کا ترجمہ ''کنواری'' سے کیا ہے وہ درحقیقت عبرانی لفظ ''علمہ'' ہے۔ اسکا معنی کنواری نہیں بلکہ نوجوان لڑکی ہے خواہ کنواری ہو یا نہ ہو یہی وجہ ہے۔ کہ آر ایس وی بائبل میں اسکا ترجمہ Young Woman سے کیا گیا ہے۔ لہٰذا متی کا یہ کہنا کہ ''ایک کنواری حاملہ ہوگی'' بالکل غلط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ پیشگوئی کے الفاظ یہی تھے کہ ''ایک کنواری حاملہ ہوگی تب بھی حضرت مریمؑ وعیسیٰؑ پر یہ صادق نہیں آتی کیونکہ خود بائبل اور مسیحی مفسرین نے حضرت مریمؑ کے کنوارے پن پر ضربِ کاری لگادی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس پیشینگوئی میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کا نام ''عمانوایل'' رکھیں گے حالانکہ متی اسی باب کی آیت ۲۵ میں خود کہہ رہے ہیں کہ مریم ویوسف نے بیٹے کا نام عمانوایل نہیں بلکہ یسوع رکھا۔ زندگی بھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یسوع کے نام سے ہی پکارا گیا۔ مسیحی مفسر لکھتا ہے

''ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی ''عمانوایل'' کے نام سے پکارا گیا ہو۔ اسکو ہمیشہ ''یسوع'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے'' (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۲)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام یسوع رکھا گیا' یہی نام پکارا گیا کسی نے انکا نام عمانوایل نہیں رکھا اور نہ کسی نے انکو اس نام سے پکارا اور یاد کیا تو اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینا کس طرح صحیح ہے؟ مگر مسیحی علماء کو ان حقائق سے غرض نہیں انکا مذہبی فریضہ یہ ہے کہ جب بھی عہد نامہ قدیم میں کوئی خبر نظر آئے اسکو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فٹ کر دیا جائے لہٰذا انکے نزدیک یہ بھی ایک سچی پیشینگوئی ہے۔

عقیدہ توحید

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر اِس عالمِ رنگ وبو میں تشریف لائے۔ انہوں نے انسانوں کو خالص توحید خداوندی کا درس دیا۔ یہ انکی دعوتی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج بھی نوعِ انسانی کی اکثریت توحید کا اعتقاد رکھتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے اچھی خاصی تعداد طرح طرح سے شرک میں بھی مبتلا ہے قرآن مجید سچ فرماتا ہے

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ (القرآن ۱۲:۱۰۶)

''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اسکے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں''

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے یا عقیدۂ توحید کی زبردست صداقت ہے کہ بائبل ہزاروں سالوں میں مختلف مراحل سے گزرنے کے باوجود آج بھی اپنے اندر خالص توحید کا نمایاں اثر اور واضح تعلیم رکھتی ہے حتیٰ کہ اس میں تثلیث کا نام ونشان نہیں۔ جہاں تک پرانے عہد نامہ کا تعلق ہے وہ تو اس مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے

''یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اُسکے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں........پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو اپنے دل میں جمالے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں'' (استثناء۴:۳۵'۳۹)

''کیونکہ تو بزرگ ہے اور عجیب وغریب کام کرتا ہے۔ تو ہی واحد خدا ہے''

(زبور۸۶:۱۰)

''میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں........میں خداوند سب کا خالق ہوں۔ میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں کون میرا شریک ہے؟'' (یسعیاہ ۴۴:۶'۲۴)

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں۔ میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں'' (یسعیاہ ۴۵:۵'۶)

''پر ایک دن ایسا آئیگا جو خداوند ہی کو معلوم ہے.........اور خداوند ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا۔ اس روز ایک ہی خداوند ہوگا اور اسکا نام واحد ہوگا'' (زکریا۔۱۴:۷'۹)

اس جملے کا مضمون ان قرآنی آیات کے عین مطابق ہے

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (القرآن ۸۲:۱۹)

''اس دن کوئی کسی کیلئے کسی چیز کا مالک نہ ہوگا اور حکم اس روز خدا ہی کا ہوگا''

يَوْمَهُمْ بَارِزُوْنَ لَايَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (القرآن ۴۰:۱۶)

''جس دن وہ سب نکل کھڑے ہونگے انکی کوئی چیز خدا سے مخفی نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہت ہے؟ خدا کی جو اکیلا اور غالب ہے''

بائبل میں ایک اور جگہ توحید کا اس طرح اعلان کیا گیا ہے

''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے''

(استثناء۔۶:۴)

عبرانی بائبل میں یہ متن اس طرح ہے

''شمع یاسرانیل ادونانی الوہیم ادونانی احاد''

عربی بائبل میں اسکا ترجمہ یوں ہے

''اسمع یا اسرائیل ان الرّب الھنا ربّ واحد''

یہ جملہ یہود کا کلمہ ہے جو ''شمع'' کہلاتا ہے اور عبرانی جملے میں خدا کیلئے لفظ ''الوہیم'' آیا ہے (قاموس الکتاب۔ص۲۳۳) اس جملے میں اور اسلام کے کلمہ توحید **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه** میں کوئی فرق نہیں۔ اس کا مضمون قرآنی سورۃ اخلاص سے ذرا مختلف نہیں۔ عہد نامہ قدیم میں ایک جملہ یا آیت بھی ایسی نہیں جس میں تثلیث کے متعلق کھول کر کچھ بتایا گیا ہو۔ چنانچہ کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کا اعتراف ہے کہ

The doctrine of the Holy Trnity is not taught in the O.T.

{The New Catholic Encyclopaedia,vol.14,p.306.}

''تثلیث مقدس کا نظریہ عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا''

عہدِ جدید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو دیکھا جائے تو وہاں بھی توحید کا درس اسی طرح دیا گیا ہے:-

''اور فقیہوں میں سے ایک نے انکو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے انکو خوب جواب دیا ہے۔ وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون سا ہے؟۔ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے اس سے کہا اے استاد بہت خوب! تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اسکے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اس سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔ جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں'' (مرقس۔۱۲: ۲۸تا۳۴)

اس مکالمہ میں سائل ایک یہودی فقیہ ہے جو نہ تو الوھیت میں کسی اقنوم کا قائل ہے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ رُوح القدس یا بیٹے کی شمولیت کا قائل ہے، نہ وہ تثلیث کے لفظ و عقیدہ سے آشنا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسکے سوال پر تثلیث کی تھیوری نہیں سمجھائی۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ باپ کامل خدا ہے، بیٹا کامل خدا ہے، رُوحِ پاک کامل خدا ہے اور سب ملکر ''ایک'' خدا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ''اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے''۔ یہودی فقیہ نے توحید بلا تثلیث کو سنا اور سچ جانا جس کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اسکی دانائی پر داد دیتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو نجات کیلئے کافی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں'' جنت تیرا ٹھکانہ اور خدا کی رضا تیری منزل ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپکو خدا، یا خدا کا تجسّم یا خدا کا خاص معنوں میں بیٹا ہونے کا نہ کبھی خود خیال کیا نہ دوسروں سے کبھی اسکا اظہار کیا بلکہ انہوں نے گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح اصولِ اسلام یعنی توحید، رسالت، آخرت کی تعلیم دی۔ چنانچہ قیامت کے دن تثلیثیوں کے مقدمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح اپنی صفائی دیکر اظہار برأت کریں گے

"وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" (القرآن ۵:۱۱۶تا۱۱۷)

"اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائیگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو؟ وہ عرض کرینگے کہ تو پاک ہے میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپکو ضرور اسکا علم ہوتا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو ساری پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اسکے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھالیا تو تو انکا نگراں تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے"

یہی مضمون بائبل میں بھی وارد ہے اور قرآنی ارشاد کی پوری پوری تائید ملتی ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

"اُس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوّت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟۔ اُس وقت میں ان سے

صاف کہدونگا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہریگا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیونکہ اسکی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اُس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھہریگا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچایا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا''

(متی ۷:۲۲ تا ۲۷)

بلاشبہ یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتوں میں صرف توحید کا سبق ملتا ہے اور تثلیث کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص خالص توحید بلا تثلیث کا عقیدہ رکھتا ہے وہی حقیقت میں انکی باتوں کو سننے والا' عمل کرنے والا' چٹان پر گھر بنانے والا عقلمند آدمی ہے اور جو کوئی انکی توحیدی تعلیمات کے برعکس تثلیث وصلیب کا پجاری ہے وہ انکی باتوں سے غفلت کرنے والا' انکی ہدایات کو عمل میں نہ لانے والا' ریت پر گھر بنانے والا' بالکل برباد ہونے والا بے وقوف آدمی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو یہی کچھ فرمایا ہے کہ'' اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے'' اور فرمایا'' تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی ۴:۱۰' لوقا ۴:۸) یعنی اے بنی اسرائیل صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور اسکے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو۔ قرآن مجید بھی انکی دعوت کا خلاصہ یہی بتاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

عَذَابٌ اَلِيمٌ ○ اَفَلَا يَتُوبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (القرآن ۵:۷۲تا۷۴)

''وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسی علیہ السلام) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ (خود) مسیح (یہود سے) یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص خدا کیساتھ شرک کریگا خدا اُس پر بہشت کو حرام کردیگا۔ اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہیں جو اِس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے۔ حالانکہ اُس معبودِ یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو اِن میں جو کافر رہیں گے وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اُس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے''

ایک مغربی عیسائی عالم حضرت عیسی علیہ السلام کے معروف سوانح نگار لکھتے ہیں:۔

That Jesus never dreamt of making himself pass for an incarnation of God, is a matter about which there can be no doubt,

{Ernest Renan; Life of Jesus, p. 181.}

''یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھا جانے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا''

جس طرح حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے خدا ہونے کا خواب بھی نہ دیکھا بلکہ انہوں نے خالص توحید کا سبق دیا اسی طرح بائبل بھی تثلیث کی بجائے توحید کی تعلیم دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے ایک معروف عیسائی مصلح چیننگ {Channing} عقیدۂ تثلیث کے خلاف سرگرم عمل رہے انکا اعلان تھا کہ:

The Scriptures, when reasonably interpreted, teach the doctrine held by the Unitarians.

{E.M.Wilbur:op.cit.,p.424.}

"بائبل کو درست طریقہ سے سمجھا اور سمجھایا جائے تو وہ موحدین ہی کی تائید کرے گی"

فلسفہ تثلیث

حضرت عیسی علیہ السلام اپنے رفع آسمانی سے قبل زمین پر جتنا عرصہ رہے انہوں نے ایک مرتبہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا ہوں۔ انکے معجزات خدا ہونے کی دلیل نہیں بلکہ انکی نبوّت و رسالت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی طرح محض خدا کی قدرت سے معجزات دکھائے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جیسا حکم پاتا ہوں کرتا ہوں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں (یوحنا۵:۳۰) میں خدا کی قدرت سے بدروحوں کو نکالتا ہوں اور شفا دیتا ہوں (لوقا۱۱:۲۰) جب کوئی معجزہ ہو جاتا تھا تو خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی سن لی (یوحنا۱۱:۴۱) پطرس بڑی واضح گواہی اور صاف صاف ریمارکس دیتے ہیں

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جسکا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے انکی معرفت تم میں دکھائے۔ چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو"

(اعمال۲:۲۲)

حضرت عیسی علیہ السلام انسان ہی تھے۔ نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہے۔ عام بچوں کی طرح انکی پیدائش ہوئی۔ آٹھویں روز انکا ختنہ ہوا (لوقا۲:۲۱) نسطوریس نے صحیح کہا تھا کہ "خدا ایک یا دو تین ماہ کا بچہ نہیں ہو سکتا" مگر کلیسیا نے اسے مرتد قرار دے کر عیسائیت سے خارج کر دیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کو بائبل میں ۷۸ مرتبہ "ابن آدم" انسان کا بیٹا کہا گیا ہے بلکہ بائبل تو حضرت عیسی علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا اور حضرت آدم علیہ السلام کو "خدا کا بیٹا" بتاتی ہے

(لوقا ۳: ۲۳، ۳۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا اُنکے خدا ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں انکی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ و عیسیٰؑ کے علاوہ بھی ایسا ہوا ہے چنانچہ لکھا ہے:-

''اور یہ ملکِ صدق سالم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ جب ابراہام بادشاہوں کو قتل کرکے واپس آتا تھا تو اسی نے اسکا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہام نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اول تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا''

(عبرانیوں ۷: ۱ تا ۳)

حقیقت یہ ہے کہ ''ملکِ صدق'' خدا کے بیٹے (یسوع) کے مشابہ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ خدا کے بیٹے کا اغلاط سے بھرا نسب نامہ بتایا جاتا ہے جبکہ یہ شخص نسب نامہ سے پاک ہے۔ خدا کے بیٹے کی ماں (مریمؑ) ہے جبکہ یہ شخص بے ماں ہے۔ اسکی عظمت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے کیونکہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر پاک ہوسکتا ہے (ایوب ۲۵: ۴) اصل گناہ گار تو عورت ہے اسی نے فریب کھایا' گناہ میں پڑ گئی مرد کو بھی گناہ میں مبتلا کیا (اے تیمتھیس ۲: ۱۴) گویا عورت ڈبل مجرم تھی۔ جو شخص گناہ کے مرکزی کردار ''عورت'' سے پیدا ہو وہ کتنا عیب دار ہوگا؟

لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم شخصیت' معصوم رسول' صاحب عزیمت پیغمبر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی وہ خود کو خدا کہلانا سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ انکی تو یہ شان ہے:-

''اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جارہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اسکے پاس آیا اور اسکے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا کہ اے نیک استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا'' (مرقس ۱۰: ۱۷' لوقا ۱۸: ۱۸)

اللہ اکبر! تواضع، عبدیت، بندگی کی انتہاء دیکھئے کہ اپنے حق میں لفظِ نیک وصالح {good} سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ نیک کہلانے کے لائق تو خدا کی ذات ہے۔ ہر طرح کی تعریف کا استحقاق اسکی ہستی کو ہے۔ خوب غور فرمایئے! جو شخص اپنے متعلق ''نیک'' کہلانا پسند نہیں کرتا اور اسکو خدا کا حق قرار دیتا ہے وہ خود کو خدا کہلانا کیسے گوارا کریگا؟ جو انسان اپنے متعلق لفظ good قبول نہیں کرتا وہ لفظ God کہنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی مدح میں ذرا سا لفظ بھی گوارا نہیں کرتے مبالغہ تو دور کی بات ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی مقام ہوتا ہے کہ وہ ہر تعریف کو تعریفوں والے خدا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے آپکو خدا کا بندہ ہونا قابل فخر اعزاز سمجھتے ہیں۔ قرآن عزیز کیا خوب فرماتا ہے

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا

(القرآن ۴:۱۷۲)

''مسیح (علیہ السلام) نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اسکو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئیگا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا''

یہاں ایک سوال تشنہ جواب رہ جاتا ہے کہ جب بائبل میں تثلیث کا بیان نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات میں اسکا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ ناقابلِ فہم فلسفہ آیا کہاں سے؟ اسکا جواب مسیحیت کے مستند محققین کی زبانی سنیئے:۔

''لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود نہیں اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ طرطلیان نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہی میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں

بیان کیا گیا۔ تاہم یہ مسیحی مذہب کا بنیادی امتیازی اور جامع مسئلہ ہے جسکا صاف اشارہ کلام پاک کے پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک کئی مرتبہ آیا ہے'' (قاموس الکتاب ۲۳۳)

پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ بائبل میں تثلیث کا بیان تو دور کی بات ہے لفظ تک موجود نہیں۔ ہاں البتہ قرآن مجید میں تثلیث کا صاف لفظوں میں ردموجود ہے:۔

وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (القرآن ۴:۱۷۱)

''اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (اس سے) باز آجاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے وہ پاک ہے اس سے کہ اسکے بیٹا ہو''

دوسری بات یہ ہے کہ تثلیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ اس اصطلاح کا موجد ''بزرگ'' طرطلیان ہے۔ مسیحی لٹریچر اسکا تعارف اس طرح آیا ہے:۔

ان شہیدوں کی بے ریا شہادت اور ثابت قدمی سے جہاں اور بھی بہت سے حق کے متلاشی خداوند کی آغوشِ رحمت میں آئے۔ وہاں ان میں ایک رومی وکیل بھی تھا۔ جو اپنے زمانہ کا زبردست قانون دان، منطق کا ماہر اور علم وفضل کا پتلہ تھا۔ اس مجسمہ فہم وفراست کا نام ترتولیاں (طرطلیان) تھا۔ وہ لاطینی نسل سے متعلق تھا اور ایک متمول خاندان کا فرد تھا۔ اسکا والد شاہی صوبہ دار تھا۔ اسکی پرورش ناز ونعمت میں ہوئی تھی۔ رومی امرا کی طرح اسکے اوقات کا بہتر مصرف تفریح گاہیں تھیں۔ اسکے ہم جلیس اوباش اور بے فکرے لوگ تھے۔ چونکہ تیز فہم اور زود حس انسان تھا۔ اس لئے مسیحیوں کی بے لوث قربانی نے اسکے دل پر گہرا اثر کیا۔ وہ انکی پاکیزگی اور ایثار کا گرویدہ ہوگیا اور مشرف بہ مسیحیت ہوا۔ مسیحیت نے اسکی زندگی کو یکقلم بدل دیا اور وہ مسیحیت کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔ مسیحیت کی حمایت میں اس نے ایسے دلائل پیش کیے کہ مخالفین چپ ہوگئے۔ وہی منطق اور فلسفہ جو اس سے پیشتر وہ دنیاوی مقاصد کیلئے پیش کیا کرتا تھا۔ اسی کو اس نے دینِ حق کے ثابت کرنے میں پیش کرنا شروع کردیا.................. ایمان کے ضمن میں ایک جوہر اور تین اقانیم اسی کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اقنوم یا شخص کے غلط مفہوم سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ مبادا اس سے خدائے ثلاثہ کا عقیدہ اخذ کیا جائے۔ اس لئے وہ اس سے اجتناب کرتا ہوا ''تثلیث'' کا عام طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر کہتا ہے۔ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے۔ اور رُوح القدس خدا ہے اور ان اقانیم میں سے ہر ایک خدا ہے۔ اس نے اس بات کی بھی تعلیم دی کہ مسیح کی

ذات میں الوہیت اور انسانیت کا کامل اتحاد تھا اور اس کا ایمان تھا کہ خدا میں بہترین صنعت جو پائی جاتی ہے وہ نجات کی ہے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر یعنی ۲۰۲ء میں مونطانیت خیال کا حامی ہوگیا۔ اور جس ہمت اور جوش سے اس نے غیر مذاہب کی مذمت کی۔ اسی طرح اس نے اس وقت کے نظام کلیسیا کی مخالفت کی۔ اسکے خیال میں بپتسمہ کے بعد کلیسیا مجاز نہیں کہ گناہوں کی مخلصی دے۔ خادم الدینوں کے نکاح ثانی کی بھی اس نے مذمت کی۔ ان امور میں اسکی چپقلش پوپ سالیطا س سے ہوگئی۔ اسکے خیال میں محض رُوحانی اور حق پرست فرقہ مونطانی تھا۔ اس لئے اس فرقہ کی حتی المقدور امداد کی اور کلیسیائے مسلط کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس فرقہ کا ہادی مونطانیس مشرف بہ مسیحیت ہونے سے پیشتر سبل دیوتا کے معبد کا پوجاری تھا۔

(آبائے کلیسیا۔ ص ۲۱، ۲۳۔ مصنفہ فیروز خاں ناردٗ۔ شائع کردہ۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور)

طرطلیان موصوف کے اس تفصیلی تعارف سے جو کچھ معلوم ہوا اسکا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد یا صحبت یافتہ آدمی نہ تھا بلکہ انکے آسمان پر اٹھائے جانے کے دوسو سال بعد دوسری صدی میں جب روم میں مسیحیوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے بے لوث قربانیاں دیں تو اس نے متاثر ہوکر عیسائیت قبول کرلی۔ یہ شخص شاہی صوبہ دار کا بیٹا تھا اسکے اوقات کا بہتر مصرف ''تفریح گاہیں'' تھیں۔ اسکے ساتھی بھی اوباش قسم کے لوگ تھے۔ یہ شخص منطق وفلسفہ کا ماہر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عیسائی دنیا کو ''ایک جوہر تین اقانیم اور تثلیث'' کا فلسفیانہ عقیدہ بخشا۔ یہ شخص مونطانیت خیال کا حامی ہوگیا تھا اور اس فرقہ کو رُوحانی وحق پرست سمجھتا تھا جبکہ اس فرقہ کا ہادی وبانی مونطانیس نامی شخص تھا جو قبول عیسائیت سے پہلے سبل دیوتا کے معبد کا پجاری تھا۔ اس طرح بت پرستی کے قدیم ذوق اور منطق وفلسفہ کی فنی مہارت سے تثلیث کی معجونِ مرکب تیار ہوئی جس میں دونوں چیزوں کا ذائقہ برابر موجود ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یا انکے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کے زمانے میں موجود نہ تھا بلکہ انکے رفع آسمانی کے چارسو سال

بعد بیان کیا گیا اور مختلف عقیدہ ساز کونسلوں' حکمرانوں کی سر توڑ کوششوں سے ترقی پا کر موجودہ شکل میں لایا گیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسیحی مذہب کا بنیادی' امتیازی اور جامع مسئلہ ہے تاہم پاک کلام میں اسکا واضح ذکر نہیں بلکہ ''اشارے'' ملتے ہیں۔ ان نادان محققوں کو یہ خبر نہیں کہ مذہب کے بنیادی' امتیازی اور جامع مسئلہ کو گونگوں کے اشاروں سے نہیں سمجھایا جاتا بلکہ صاف صاف لفظوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور اتمامِ حجت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بائبل ایک ضخیم کتاب ہے اس میں دنیا جہاں کی اوٹ پٹانگ باتوں کا تذکرہ ہے جیسا کہ اسکے کئی نمونے آپ دیکھ آئے ہیں مگر تثلیث جو مسیحی عقائد کا اساسی نکتہ ہے اسکا ذکر نہیں ہے۔ کیا اس عقیدہ کے بطلان کیلئے صرف یہی دلیل کافی نہیں؟

پانچویں بات یہ ہے ان محققین کے بقول تثلیث کا مسئلہ بائبل میں اشاروں سے سمجھایا گیا ہے اور توحید کا مسئلہ کھول کھول کر کئی بار بتایا گیا ہے لہٰذا عوام کا تو کیا ذکر خود مسیحی علماء وفضلاء کیلئے بھی اسکا سمجھنا ازحد دشوار ہو گیا ہے۔ وہ بڑی بے بسی کیساتھ اس عقیدہ کے سمجھ نہ آنے کا اور خلافِ عقل یا ماوراءِ عقل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ مسیحیت کے مایہ ناز عالم لوئیس برک ہاف لکھتے ہیں:۔

''خدا کا جسم میں ظاہر ہونا یہ نہ صرف بائبل کے معنوں ہی میں ایک بھید ہے جسے پرانے عہد نامہ میں پورے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ ان معنوں میں بھی کہ یہ انسان کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں بہت سے مختلف خیالات ہیں۔ لیکن اب تک کوئی ایسا خیال پیش نہیں کیا گیا جو اسکو پورے طور پر حل کر سکے۔ جو خیالات پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جو مسیح کی دونوں ذاتوں کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے' جبکہ دیگر مسیح کی شخصیت کی وحدت کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے''

(مسیحی علم الٰہی کی تعلیم۔ ص ۲۳۳)

مسیحی قارئین کو برا نہ لگے تو ہم معذرت کیساتھ ایک لطیفہ سنانا چاہتے ہیں۔ مشہور

ہے کہ تین آدمیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ ایک قابل پادری صاحب کو انکی تعلیم پر مامور کیا گیا۔ یہ تینوں عیسائی ہر وقت پادری صاحب کی خدمت میں حاضر باش رہتے اور وہ بھی انکو مسیحی عقائد سمجھانے کیلئے کمر بستہ رہتے۔ اتفاقاً ایک روز پادری صاحب کا ایک دوست ملاقات کیلئے آ گیا۔ پادری صاحب نے ان تینوں شاگردوں کو اپنے دوست کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر کے ہمارے مذہب کی ضروری باتیں سیکھ لی ہیں آپ امتحان لے سکتے ہیں۔ پادری صاحب کا خیال تھا کہ اس طرح اُنکی محنت وکارکردگی سامنے آئے گی۔ اس دوست نے ایک شاگرد کو بلایا اور اس سے پوچھا عقیدہ تثلیث کے بارے میں تم نے کیا سمجھا؟ اس نے جواب دیا کہ پادری صاحب نے مجھے اس طرح بتایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک آسمان میں' دوسرا کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والا اور تیسرا وہ جو کبوتر کی شکل میں دوسرے خدا پر تیس سال کی عمر میں نازل ہوا۔ پادری بڑا غضبناک ہوا اور اُسے "اُلو کا چرخہ" کہہ کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرے کو بلایا اور یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا مجھے بتایا گیا ہے کہ خدا تین تھے جن میں سے ایک کو سولی دے دی گئی اب صرف دو خدا باقی رہ گئے ہیں۔ پادری صاحب نے غصہ ہو کر اسے بھی نکال دیا پھر تیسرے کو بلایا جو زیادہ ہوشیار تھا اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا مائی ڈیئر فادر! آپ نے جو کچھ سکھایا میں نے خوب اچھی طرح یاد کیا اور خداوند یسوع مسیح کی مہربانی سے پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔ تثلیث یہ ہے کہ ایک تین اور تین ایک۔ ان میں سے ایک کو سولی دے دی گئی وہ مر گیا اور بوجہ اتحاد سب کے سب مر گئے لہٰذا اب کوئی خدا باقی نہیں رہا ورنہ تینوں میں اتحاد کی نفی لازم آئے گی۔

ان جواب دینے والوں کو جہالت و ناسمجھی کا الزام دینا ٹھیک نہیں کیونکہ بڑے بڑے دانشوروں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی حیران ہو کر اقرار کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں

آتا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کوئی عقیدہ ہے ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے اپنی امت کو ایسی کوئی تعلیم نہیں دی۔ یہ تو ایک خلافِ عقل مفروضہ ہے' بے حقیقت خواب ہے' بے معنی فلسفہ ہے اور بس!

برّے کی فتح

عیسائیت کا دوسرا امتیازی عقیدہ' مرکزی نکتہ اور تصورِ نجات ''کفارہ'' ہے۔ تمام الہامی مذاہب میں نجات و فلاح کا تصور یہ دیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اسکے حکموں پر ایمان لائے' خدا کی شریعت پر عمل کرنے کا عزم کرے جس میں کوتاہی (گناہ) ہو جائے تو توبہ واستغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ عہدِ قدیم ہو یا تعلیماتِ عیسوی دونوں میں نجات اور آسمان کی بادشاہی کے حصول کیلئے ایمان' احکام پر عمل اور عمل کی کمی کو توبہ کے ذریعے تلافی کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بات اس قدر وضاحت و تکرار کیساتھ کہی گئی ہے کہ حوالہ کی محتاج نہیں۔ مگر مروجہ عیسائیت میں نجات کا تصور ''عقیدہ کفارہ'' ہے جو عیسائیت کا اساسی نکتہ اور اعلیٰ ترین نظریہ ہے حتیٰ کہ اسکی اہمیت تثلیث سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ عقیدہ تثلیث کفارہ کی فرع ہے اصل تو کفارہ ہے۔ کفارہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھا کر انتہائی سنگین گناہ کیا۔ وہ گناہ وبائی مرض کی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے انکی تمام اولاد کو لگ گیا۔ اس گناہ کی لعنت پوری نسلِ انسانی پر چھا گئی۔ یہ اصلی وموروثی گناہ {Original Sin} اولادِ آدم میں ایسا منتقل ہوا کہ تمام انسان گناہ گار و ناپاک ٹھہرے۔ انسان کو اس گناہ سے کوئی چیز پاک نہیں کرسکتی۔ پاکیزگی کا ذریعہ صرف ''فدیہ'' ہے۔ فدیہ وہی دے سکتا ہے جو خود گناہ سے پاک ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی راستباز' معصوم و پاک نہیں تھا لہٰذا خدا کے اکلوتے بیٹے مجسم خدا یسوع

مسیح نے پھانسی لیکر سب دکھ سہہ کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ جو شخص انکے کفارہ وقربانی، فدیہ وتصلیب پر ایمان لا کر بپتسمہ لیتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ حتیٰ کہ مسیحی علماء ایکویناس {Aquinas} اور آگسٹائن {Augustine} کے بقول جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے ان کیلئے ابدی عذاب عینِ انصاف ہے۔

اس عقیدۂ کفارہ کے متعلق چند باتیں انتہائی قابل غور ہیں

پہلی بات یہ ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے امتحاناً منع کیا۔ وہ بھول کر کھا بیٹھے انسان تو نسیان کا پتلا ہے، خطا خاصہ بشریت ہے۔ بائبل کی تاریخ تو اس سے انتہائی زیادہ سنگین گناہوں سے بھری پڑی ہے۔ ان گناہوں کو سامنے رکھا جائے تو ممنوع پھل کھانے کے گناہ کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوئی خاص گنجائش نہیں رہتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ ''اصل گناہ'' حضرت آدم علیہ السلام سے تمام اولادِ آدم کی طرف اور پھر ان تمام سے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا تو خدا کے قانونِ عدل میں ایک انسان کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں تک ہے؟ کیا خدا اتنا مغلوب الغضب ہے کہ ایک فرد کے گناہ کی سزا سب کو دیتا ہے؟ یہ نکتۂ نظر عقلی طور پر باطل ہونے کے علاوہ بائبل کی واضح تعلیمات کے سخت خلاف ہے چنانچہ لکھا ہے:-

(۱) جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ'' (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

(۲) راست بازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہوگا کیونکہ وہ اپنے کاموں کا پھل کھائیں گے۔ شریروں پر واویلا ہے! کہ انکو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے'' (یسعیاہ ۳:۱۰)

(۳) بیٹوں کے بدلے باپ نہ مارے جائیں نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں' ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب سے مارا جائے'' (استثناء ۲۴:۱۶)

تیسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ انسان کو ازلی گناہ سے توبہ وعمل پاک نہیں کر سکتے۔ پاکیزگی صرف فدیہ سے حاصل ہو سکتی ہے یہ بھی منطقی طور پر غلط ہونے کے علاوہ بائبل کے اصول کے قطعاً خلاف ہے۔ بائبل بتاتی ہے کہ فدیہ وقربانی کے علاوہ دیگر چیزیں بھی گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں چنانچہ لکھا ہے:۔

(۱) ''شفقت اور سچائی سے بدی کا کفارہ ہوتا ہے اور لوگ خداوند کے خوف کے سبب سے بدی سے باز آتے ہیں'' (امثال ۱۶:۶)

(۲) ''جو اپنے باپ کی عزت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں کا کفارہ دیتا ہے''
(یشوع بن سیراخ' باب ۳' آیت ۴ کیتھولک بائبل'' کلامِ مقدس'' ص ۸۷۰)

(۳) ''پانی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے اور خیرات گناہوں کا کفارہ دیتی ہے''
(یشوع بن سیراخ' باب ۳' آیت ۳۳ کیتھولک بائبل'' کلامِ مقدس'' ۸۷۱)

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر نجات کا طریقہ یہی ہے تو پہلی امتوں کی نجات کس طرح ہوگی جو حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی وکفارہ' فدیہ وبپتسمہ' تثلیث وصلیب بلکہ انکے اسم گرامی سے بھی واقف نہ تھے۔ اگر یہی نجات کا طریقہ ہے تو شروع دنیا میں سب سے پہلے نبی پر اسکو ظاہر کیوں نہ کیا گیا تا کہ خدا کا سلسلہ رحم وعدل برابر رہتا۔ اگر مجرم لوگ محض کفارہ پر ایمان لاکر چھوٹ جائیں تو خدا کی شانِ عدل کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ اگر یہ نجات کا واحد طریقہ اور عقائد کا اہم مسئلہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کیساتھ بیان کیوں نہیں فرمایا؟

پانچویں بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق خدا ہو کر ایسا پابند اور مجبور تھا کہ ''بیٹے کی قربانی'' اور فدیہ کے بغیر گناہ معاف نہ کر سکے؟ کیا اللہ تعالیٰ اتنا بے اختیار ہے کہ گناہ کو

ازخود معاف نہیں کرسکتا بلکہ انسان کی سچی توبہ دیکھ کر بھی رحم نہیں کرسکتا؟ جبکہ خدا کا کلام تو یہ کہتا ہے:۔

''لیکن اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہیگا۔ وہ نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اسکے خلاف محسوب نہ ہونگے۔ وہ اپنی راستبازی میں جو اس نے کی زندہ رہیگا۔'' (حزقی ایل ۲۱:۱۸)

دیکھئے! کتنی وضاحت کیساتھ کہا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص آئینِ شریعت پر چلے اور اطاعت اختیار کرے تو اسکے سب گناہ معاف ہونگے وہ راستبازی کیساتھ یقیناً ہمیشہ زندہ رہیگا۔ ''سب'' اور ''تمام'' کا لفظ اپنی مراد پر بہت واضح ہے ''سب'' اور ''تمام'' (کل) کے مفہوم میں ازلی گناہ سمیت تمام گناہ داخل ہیں لہٰذا اگر کوئی ازلی گناہ ہوا بھی ہو تو وہ بھی توبہ واطاعت سے مٹ جائیگا اور اسکے خلاف محسوب نہ ہوگا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ کفارہ کا فلسفہ یہی ہے کہ انسان کو گناہ گار دیکھ کر خدا نے اپنے بے گناہ بیٹے کو جو خود بھی خدا ہے فدیہ میں قربان کردیا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کوئی مہربان ڈاکٹر مریض کا دردِ سر ٹھیک کرنے کیلئے اپنا سر پھوڑ دے یا کوئی بادشاہ ملک کے جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دینے کی بجائے اپنے شہزادے یا وزیراعظم کو پھانسی پر لٹکا دے۔ بے قصور کو قصوروار ٹھہرا کر اصل مجرم کے جرم کو ختم کرنے کا یہ طریقہ انتہائی احمقانہ مضحکہ خیز اور نادرالوقوع ہے۔ آج تک دنیا کی کسی عدالت میں معمولی سمجھ رکھنے والے جج نے بھی ایسا نہیں کیا کہ عدالت میں پیش ہونے والے کسی مجرم کو رہا کرکے اس جگہ اپنے بیٹے کو سزا دے دی ہو۔ حکمتوں اور تعریفوں والے خدا پروردگارِ عالم کی طرف ایسی بے عقلی کا عمل منسوب کرنا توہینِ خداوندی کا بدترین نمونہ ہے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ قربانی کی حقیقت تو یہ ہے کہ چھوٹا بڑے پر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان

ہو۔ نباتات حیوانات پر قربان ہوتے ہیں' حیوانات اشرف المخلوقات (انسان) پر قربان ہوتے ہیں۔ بائبل بھی یہی کہتی ہے کہ "آدمی کی جان کا کفارہ اسکا مال ہے" (امثال ۱۳:۸) مال ادنیٰ ہے انسان اعلیٰ ہے حضرت مسیح علیہ السلام بحیثیت رسول اپنی امت میں سب سے اعلیٰ اور امت نبی و رسول سے ادنیٰ ہوتی ہے۔ بائبل کا اصول یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو لہٰذا امت نبی پر قربان ہوگی اور نبی امت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر قربان ہوگا۔ یہ بات عقل و نقل کے عین مطابق ہے مگر "کفارہ" میں بالکل الٹی گنگا بہتی ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری سے لیکر مصلوب ہونے تک کے واقعات تصلیب' تدفین' قیامت' ظہور وغیرہ میں اتنے تضادات اور اختلافات موجود ہیں کہ کوئی بات وضاحت کیساتھ بغیر شبہ کے ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایک محقق مسیحی عالم برنارڈ ایلن (Bernard M.Allen) لکھتے ہیں۔

{We have,therefore,no security that the narratives and sayings as given in the Gospels necessarily represent what actually happened or what was actually said.

{.B.M.Allen:op.cit.,p.9.}

"ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اناجیل میں دیئے ہوئے واقعات واقوال لازماً وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں واقع ہوا اور جو کہا گیا تھا۔"

نویں بات یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ کے مطابق گناہ کی تلافی کیلئے ایک معصوم جان کا قربان کرنا ضروری تھا مگر حضرت مسیح علیہ السلام بائبل کی نگاہ میں نیکوکار' راستباز' پاکیزہ یا معصوم نہیں تھے وہ بے چارے تو خود یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) سے بپتسمہ لیتے ہیں (مرقس ۱:۹) اور یوحنا کا بپتسمہ صرف گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کا بپتسمہ ہوتا تھا (مرقس ۱:۴) اگر ہم انہیں معصوم اور بے گناہ بھی قرار دے دیں تب بھی تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے

ایک بے گناہ معصوم ہستی کا پھانسی پر چڑھا دینا (اگرچہ اسکی رضامندی سے ہو) انصاف کا خون کرنا ہے۔

دسویں بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خوشی سے قربانی و فدیہ نہیں دیا۔ اس میں انکی ذرہ بھر رضامندی شامل نہیں تھی بلکہ ان پر ظلم کیا گیا اور انہیں زبردستی قربانی کا بکرا بنایا گیا یہی وجہ ہے کہ وہ رو رو کر منہ کے بل گر کر خون کے آنسو بہا کر موت کا پیالہ ٹلنے کی تمنا کرتے ہیں (لوقا ۲۲:۴۱) اگر وہ واقعی انسانیت کے گناہوں کا کفارہ و قربانی دے رہے تھے تو انہیں انتہائی بہادری اور پر جوش خوشی کیساتھ تختہ دار کو چومنا چاہیئے تھا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اپنے مذہب و مشن، ملک و قوم کیلیے لڑنے والوں نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان کے نذرانے پیش کئے، موت کو محبوبہ سمجھ کر گلے لگایا اور ذرا بزدلی نہیں دکھائی مگر اناجیل کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام موت سے بری طرح گھبراتے ہیں، خدا سے شکوہ کرتے ہیں۔ یہ خدا کے برّے (بھیڑ) کی عجیب فتح ہے اور انوکھی قربانی ہے کہ وہ اس قربانی کیلیے بالکل تیار نہیں ہے۔ پھر یہ کفارہ کس کام کا؟

تضاد و تناقض

قرآنِ کریم ایک عظیم، زندہ اور زندگی بخش کتاب الٰہی ہے۔ دنیا کی ہر کتاب کا تعارف کرایا جاتا ہے مگر قرآنِ عزیز واحد کتاب ہے جو اپنا مکمل تعارف خود کراتی ہے اور اپنے متعلق کوئی پہلو مخفی نہیں رکھتی۔ یہ کلام خود واضح اعلان کرتا ہے کہ میرا نام ''قرآن مجید'' ہے (البروج:۱۲) مجھے نازل کرنے والا اللہ ربّ العالمین ہے (الواقعہ:۸۰) مجھ کو رُوح القدس (جبریلِ امینؑ) کے ذریعے نازل کیا گیا ہے (البقرہ:۹۷، النحل:۱۰۲) حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی (محمد:۲) اسکو پاکیزہ اور باوضو لوگ ہاتھ لگاتے ہیں (الواقعہ:۷۹) اسکو پڑھنے

سے پہلے شیطان مردود سے پناہ لے لینی چاہیئے تا کہ شیطان کے فتنوں سے حفاظت رہے اور ہدایت حاصل ہو (النحل:۹۸) جب یہ پڑھا جائے تو باادب خاموش ہو کر سننے پر نزول رحمت ہوتا ہے (اعراف:۲۰۴) یہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کیلئے آیا ہے (ابراھیم:۱) اسکی تفسیر و تشریح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی امی ﷺ کی زبانی خود کی ہے اور دیگر کتابوں کی طرح اسے لوگوں کے سپرد نہیں کیا کہ وہ تختہ مشق بنالیں اور اپنی مان مانی تشریحات کرتے پھریں (القیامہ:۱۹) یہ کتب سابقہ سے مربوط ہے اسکی درست باتوں میں تصدیق اور غلط باتوں میں اصلاح کرتا ہے (آل عمران:۳) اسمیں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں (البقرہ:۲) قرآن مجید نے اپنے صفاتی نام بھی سو سے زائد ذکر کیے ہیں۔ مذاہب عالم کی الہامی کتابیں خود اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں۔ پوری بائبل میں ایک جگہ بھی لفظ ''بائبل'' ذکر نہیں کیا گیا۔ کلامِ مقدس' کتابِ مقدس' عہد نامہ کے علاوہ اسکا کوئی نام نہیں ہے۔ بائبل خود تو اپنا تعارف کچھ نہیں بتاتی۔ لوگ اسکا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

''کتاب مقدس۔ کلام مقدس۔ نیا اور پرانا عہد نامہ۔ عہد عتیق وعہد جدید۔ بائبل' یونانی لفظ ببلیا (biblia= کتابیں) سے مشتق ہے اور یہ ان الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے جنہیں کلیسیائے جامع نے مستند قرار دے کر فہرستِ مسلمہ میں شامل کیا۔ ان معنوں میں to biblia (الکتب) کے اولین مسیحی استعمال کو ۲۔ کلیمنٹ ۲:۱۴ (تقریباً ۱۵۰ء) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے'' ....

(قاموس الکتاب ص ۱۲۱)

قرآن مجید بتاتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے یہی وجہ ہے کہ تمام جن وانس ملکر اسکی طرح ایک چھوٹی سی سورۃ نہیں بنا سکتے۔ قرآن کے کلامِ خداوندی ہونے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ تضاد و تناقض سے پاک ہے چنانچہ ارشاد ہے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (القرآن ۴:۸۲)

''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے''

ایک عام انسانی کتاب اگر محنت اور تحقیق سے مرتب کی گئی ہو تو اس میں متضاد باتیں نہیں ہوتیں چہ جائیکہ اللہ کا کلام اور رسولوں کا الہام۔ مگر بائبل تو مجموعہ تضادات ہے۔ کچھ مثالیں گذر چکی ہیں یہاں ہم اناجیل کے باہمی تضادات کی مزید چند مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اناجیل تو کافی تعداد میں لکھی گئی ہیں مگر ان میں ان چار کو مستند قرار دیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

''اُن پہلی کتابوں میں جنہیں الہامی قرار دیا گیا اناجیل اربعہ بھی شامل تھیں۔ کلیساؤں میں بڑھتے ہوئے اختلاط اور بدعت اور بت پرستوں کے اعتراضات نے اناجیل کی فہرستِ مسلمہ میں انکی دلچسپی کو اور بھی بڑھا دیا۔ ۱۷۰ء تک ان چاروں اناجیل کو مکمل طور پر مستند مانا جانے لگا۔ یوسیبیس (۳۵۰ء) اور اس کے بعد کے بزرگوں نے دیگر تمام انجیلوں کو فہرستِ مسلمہ سے خارج کر دیا اور صرف ان چاروں کو مسیح کی زندگی اور کاموں کے بارے میں علم حاصل کرنے کیلئے مستند قرار دیا'' (قاموس الکتاب۔ ص ۹۲)

آیئے! ان چار انجیلوں کے تضادات و تناقضات ملاحظہ کریں اور فیصلہ فرمائیں کہ ان میں کہاں تک صداقت ہے؟ انکا درجہ استناد کتنا ہے؟ یہ مواد کہاں تک الہامی قرار پا سکتا ہے؟ عقائد کی مضبوط بنیادیں ان غیر معتبر روایات پر کہاں تک کھڑی کی جا سکتی ہیں

(۱)

اناجیل کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انکے ایک حواری یہوداہ اسکریوتی نے گرفتار کرایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسکی پہلے سے پیشینگوئی اور اس غدار کی نشان دہی کر دی تھی جسکے متعلق ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کیساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائیگا۔ وہ بہت ہی دلگیر ہوئے اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے

خداوند کیا میں ہوں؟۔ اس نے جواب میں کہا جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائیگا۔ ابن آدم تو جیسا اسکے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے! اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اسکے لیے اچھا ہوتا۔ اسکے پکڑوانے والے یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا'' (متی ۲۶: ۲۰ تا ۲۵)

دوسری جگہ اس طرح آیا ہے

''یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائیگا۔ شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اسکے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے۔ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دونگا وہی ہے۔ پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا۔ اور اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا''

(یوحنا ۱۳: ۲۱ تا ۲۶)۔

پہلے بیان کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا'' پھر یہوداہ کے اپنے اقرار سے تعیین ہوگئی۔ مگر دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دونگا وہی ہے'' پھر آپ نے نوالہ ڈبویا اور یہوداہ کو دیا' اس نوالہ سے شیطان اس میں سما گیا اور اس طرح نشان دہی ہوئی۔ دیکھیے! دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے ایک اور بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام تو مبارک ہستی ہیں جب وہ کسی کو اپنے دستِ مبارک سے کھانے کا نوالہ ڈبو کر دیں تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اس شخص کے دل میں پہلے سے موجود منافقت اور شیطانیت ختم ہو جاتی۔ وہ رُوحانی اور باطنی طور پر پاک وصاف ہو جاتا۔ مگر یہاں حضرت عیسی علیہ السلام کے مبارک ہاتھ سے اُلٹا معجزہ ہوا کہ اسکی برکت سے بے چارے یہودا اِسکریوتی میں شیطان خوب سما گیا۔

(۲)

یہوداہ اسکریوتی نے اپنے خداوند کو پکڑوانے کے بدلے یہودی کاہنوں سے کیا معاملہ طے کیا اسکے متعلق ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جسکا نام یہوداہ اسکریوتی تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ۔ اگر میں اسے تمہارے حوالہ کرادوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اسے تیس روپے تول کردے دیئے۔ اور وہ اس وقت سے اسکے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا'' (متی ۲۶:۱۴تا۱۶)

دوسری جگہ اس طرح آیا ہے

''پھر یہوداہ اسکریوتی جو ان بارہ میں سے تھا سردار کاہنوں کے پاس چلا گیا تاکہ اسے انکے حوالہ کردے۔ وہ یہ سن کر خوش ہوئے اور اسکو روپے دینے کا اقرار کیا اور وہ موقعہ ڈھونڈنے لگا کہ کسی طرح قابو پاکر اسے پکڑوادے۔''
(مرقس ۱۴:۱۰تا۱۱)

پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے تیس روپے کا معاوضہ مل گیا تھا پھر وہ پکڑوانے کا موقعہ ڈھونڈنے لگا۔ دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار کاہنوں نے فوری کچھ نہیں دیا بلکہ محض وعدہ اور اقرار کیا۔ دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے تاہم دوسری بات قرین قیاس ہے کیونکہ یہودی اتنے سادہ نہیں ہوتے کہ مقصد براری سے پہلے کچھ روپیہ ضائع کرلیں۔

(۳)

جب یہوداہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوا چکا تو اسے بڑی ندامت ہوئی اور اپنے کیے پر پچھتایا جسکا ذکر ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''جب اسکے پکڑوانے والے یہوداہ نے یہ دیکھا کہ وہ مجرم ٹھہرایا گیا تو پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لاکر کہا۔ میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کیلئے پکڑوایا انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان۔ اور وہ روپیوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور جاکر اپنے آپکو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے روپے لیکر کہا

انکو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روانہیں کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے۔ پس انہوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کیلئے خریدا۔ اس سبب سے وہ کھیت آج تک خون کا کھیت کہلاتا ہے۔

(متی ۲۷:۳ تا ۸)

دوسری جگہ اس طرح آیا ہے

"اے بھائیو اس نوشتہ کا پورا ہونا ضرور تھا جو روح القدس نے داؤد کی زبانی اس یہوداہ کے حق میں پہلے سے کہا تھا جو یسوع کے پکڑنے والوں کا رہنما ہوا۔ کیونکہ وہ ہم میں شمار کیا گیا اور اس نے اس خدمت کا حصہ پایا۔ (اس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اسکا پیٹ پھٹ گیا اور اسکی سب انتڑیاں نکل پڑیں"

(اعمال ۱:۱۶ تا ۱۸)

پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روپے مقدس میں پھینک کر چلا گیا سردار کاہنوں نے روپے اٹھائے' خون کی قیمت ہونے کی وجہ سے اسے خزانہ میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس روپیہ سے ایک کھیت کا میدان خریدا تا کہ پردیسیوں کیلئے قبرستان ہو سکے۔ دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے یہ کام سردار کاہنوں نے نہیں بلکہ اس نے خود انجام دیا اور اس بدکاری کی کمائی سے کھیت حاصل کیا۔ دونوں باتوں میں تضاد واضح ہے۔ اسی طرح پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جا کر اپنے آپکو پھانسی دے دی مگر دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خود کو پھانسی نہیں دی بلکہ سر کے بل گرا' پیٹ پھٹ گیا' سب انتڑیاں نکل پڑیں۔ حیرت کی بات ہے کہ آدمی سر کے بل گرتا ہے مگر سر کو کچھ نہیں ہوتا اور پیٹ ایسا پھٹتا ہے کہ انتڑیاں تک باہر نکل آتی ہیں۔

(۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے ایک واقعہ ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

"جب وہ چلتے چلتے یریحو کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ ایک اندھا راہ کے کنارے بیٹھا ہوا بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ بھیڑ کے جانے کی آواز سن کر پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے اسے خبر دی کہ یسوع ناصری جا رہا ہے۔

اس نے چلا کر کہا اے یسوع ابن داؤد مجھ پر رحم کر"

(لوقا ۱۸:۳۵ تا ۳۸)

یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے

"اور جب وہ یریحو سے نکل رہے تھے ایک بڑی بھیڑ اسکے پیچھے ہولی۔ اور دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے یہ سن کر کہ یسوع جا رہا ہے چلا کر کہا اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر"

(متی ۲۰:۲۹ تا ۳۰)

پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اندھا راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اس نے پکارا۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اسکی خواہش پر بطور معجزہ بینا کر دیا۔ دوسرے بیان میں متی نے ایک کی بجائے دو اندھوں کا ذکر کر دیا تا کہ مسیح علیہ السلام کا معجزہ زیادہ نمایاں ہو مگر تضاد واضح ہے اور دونوں باتیں الہامی ہیں۔ پہلے بیان کے مطابق اندھے نے یوں پکارا "اے یسوع ابن داؤد مجھ پر رحم کر" اس جملے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا کی بجائے انسان ہونے کا مفہوم واضح ہے۔ متی نے فرمایا کہ ان دو اندھوں نے یوں نہیں کہا تھا بلکہ اس طرح کہا کہ "اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر" اس طرح حضرت عیسی علیہ السلام کا خدا ہونا متی کے زعم کے مطابق ثابت ہو گیا۔

(۵)

حضرت عیسی علیہ السلام کے معجزے کا ایک اور واقعہ ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

"جب یسوع واپس آ رہا تھا تو لوگ اس سے خوشی کے ساتھ ملے کیونکہ سب اسکی راہ تکتے تھے۔ اور دیکھو یائیر نام ایک شخص جو عبادت خانہ کا سردار تھا آیا اور یسوع کے قدموں پر گر کر اس سے منت کی کہ میرے گھر چل۔ کیونکہ اسکی اکلوتی بیٹی جو قریباً بارہ برس کی تھی مرنے کو تھی" (لوقا ۸:۴۰ تا ۴۲)

یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے:۔

"اور عبادت خانہ کے سرداروں میں سے ایک شخص یائیر نام آیا اور اسے دیکھ کر اسکے قدموں پر گرا۔ اور یہ کہہ کر اسکی

بہت منت کی کہ میری چھوٹی بیٹی مرنے کو ہے۔ تو آکر اپنے ہاتھ اس پر رکھ تا کہ وہ اچھی ہو جائے اور زندہ رہے''

(مرقس ۵: ۲۲ تا ۲۳)

تیسری جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک سردار نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائیگی''

(متی ۹: ۱۸)

پہلے دو بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی مری نہیں تھی بلکہ بہت بیمار ہو کر مرنے کے قریب تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہاتھ رکھ کر اسے اچھا کر دیا مگر متی کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی مر چکی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے ہاتھ رکھ کر اسے زندہ کر دیا۔ دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے تاہم دوسری صورت میں معجزے کا اظہار زیادہ نمایاں ہے یہی متی کی غرض ہے مگر ایک الہام یقینی طور پر غلط ہے۔ افسوس ہے کہ روح القدس نے بھی صحیح راہنمائی نہیں کی۔

(۶)

حضرت عیسی علیہ السلام کا اپنے شاگردوں سے ایک مکالمہ ایک جگہ اس طرح مذکور ہے:۔

''پھر یسوع اور اسکے شاگرد قیصریہ فلپی کے گاؤں میں چلے گئے اور راہ میں اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اس سے کہا تو مسیح ہے۔ پھر اس نے انکو تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا''

(مرقس ۸: ۲۷ تا ۳۰)

یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح مذکور ہے:۔

''جب وہ تنہائی میں دعا کر رہا تھا اور شاگرد اسکے پاس تھے تو ایسا ہوا کہ اس نے ان سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟۔ انہوں نے جواب میں کہا یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ کہتے ہیں اور بعض یہ کہ قدیم نبیوں میں سے کوئی جی اٹھا ہے۔ اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح۔ اس نے انکو

تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا'' (لوقا۹:۱۸تا۲۱)

تیسری جگہ اس طرح مذکور ہے:۔

''جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا تو اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں؟۔انہوں نے کہا بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں بعض ایلیاہ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟۔شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے''

(متی۱۶:۱۳تا۱۶)

غور فرمایئے! تینوں بیانات میں کھلا تضاد ہے۔ پہلے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس نے کہا کہ ''تو مسیح ہے'' دوسرے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس نے کہا کہ ''تو خدا کا مسیح ہے'' متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الہام غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پطرس نے یوں کہا کہ ''تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے'' پہلے دونوں جوابات میں حضرت عیسی علیہ السلام کی عبدیت وبشریت کا تصور واضح ہے متی کو یہ پسند نہیں اس لئے انہوں نے جملہ میں ''خدا کا بیٹا'' کا اضافہ فرمادیا

(۷)

حضرت عیسی علیہ السلام اپنے متعلق ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اگر میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں'' (یوحنا۵:۳۱)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

''فریسیوں نے اس سے کہا تو اپنی گواہی آپ دیتا ہے۔ تیری گواہی سچی نہیں۔ یسوع نے جواب میں ان سے کہا اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے''

(یوحنا۸:۱۳تا۱۴)

دیکھئے! ایک جگہ فرمارہے ہیں کہ میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں یعنی جھوٹی ہے۔ دوسری جگہ خود اپنی بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اپنی گواہی آپ

دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے۔ دونوں میں کھلا تضاد ہے۔ دو میں سے ایک بات یقیناً غلط ہے۔ ہمارے خیال میں دوسری بات درست ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیارے پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر انتہائی سچا ہوتا ہے لہٰذا اُنکی اپنی گواہی اپنے متعلق سچی ہے۔

(۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ایک واقعہ اس طرح ذکر ہوا ہے:۔

''اس وقت زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اسکے سامنے آکر سجدہ کیا اور اس سے کچھ عرض کرنے لگی۔ اس نے اس سے کہا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے اس سے کہا فرما کہ یہ میرے دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں ایک تیری دہنی اور ایک تیری بائیں طرف بیٹھیں۔ یسوع نے جواب میں کہا تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو۔ جو پیالہ میں پینے کو ہوں کیا تم پی سکتے ہو؟ انہوں نے اس سے کہا پی سکتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا میرا پیالہ تو پیو گے لیکن اپنے دہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جنکے لئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا ان ہی کیلئے ہے''

(متی ۲۰:۲۰ تا ۲۳)

یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''تب زبدی کے بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اسکے پاس آکر اس سے کہا اے استاد! ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم تجھ سے درخواست کریں تو ہمارے لئے کرے۔ اس نے ان سے کہا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں؟۔ انہوں نے اس سے کہا ہمارے لئے یہ کر کہ تیرے جلال میں ہم میں سے ایک تیری دہنی اور ایک تیری بائیں طرف بیٹھے۔ یسوع نے ان سے کہا تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو۔ جو پیالہ میں پینے کو ہوں کیا تم پی سکتے ہو؟ اور جو بپتسمہ میں لینے کو ہوں تم لے سکتے ہو؟ انہوں نے اس سے کہا ہم سے ہوسکتا ہے۔ یسوع نے ان سے کہا جو پیالہ میں پینے کو ہوں تم پیو گے اور جو بپتسمہ میں لینے کو ہوں تم لو گے۔ لیکن اپنی دہنی یا بائیں طرف کسی کو بٹھا دینا میرا کام نہیں مگر جن کیلئے تیار کیا گیا ان ہی کیلئے ہے''

(مرقس ۱۰:۳۵ تا ۴۰)

پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے زبدی کے بیٹوں کی ماں نے حاضرِ خدمت ہو کر سجدہ کیا اور درخواست کی۔ دوسرے بیان کے مطابق ماں نہیں بلکہ خود زبدی کے بیٹے یعقوب و یوحنا

نے پاس آکر (بغیر سجدہ کیے) کہا کہ ہم تیرے جلال میں دائیں بائیں بیٹھنا چاہتے ہیں۔ دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے تاہم اس سے قطع نظر کر کے حضرت عیسی علیہ السلام کا جواب قابلِ توجہ ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اپنے دائیں بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے جنکو یہ سعادت بخشی ہے انہی کیلئے ہے۔ معلوم ہوا وہ خود خدا نہیں تھے اور نہ سارے کام انکے اختیار میں تھے بلکہ وہ خدا کے پیارے بندے، عظیم رسول اور بے لوث منادی کرنے والے مبلغ تھے۔

(۹)

اناجیل کے مطابق جب حضرت عیسی علیہ السلام کو پھانسی دے دی گئی اور انہوں نے تختہ دار پر بڑی آواز سے چلا کر دم دے دیا تو آگے کا واقعہ اس طرح آیا ہے:۔

''یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بیشک یہ آدمی راستباز تھا'' (لوقا۲۳:۴۷)

دوسری جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اور جو صوبہ دار اسکے سامنے کھڑا تھا اس نے اسے یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا'' (مرقس۱۵:۳۹)

تیسری جگہ اس طرح آیا ہے

''پس صوبہ دار اور جو اسکے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈر کر کہنے لگے کہ بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا'' (متی ۲۷:۵۴)

غور فرمایئے! لوقا بتاتے ہیں کہ (صرف) صوبہ دار نے کہا ''بے شک یہ آدمی راستباز تھا'' مرقس بتاتے ہیں (صرف) صوبہ دار نے کہا کہ ''بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا'' متی بتاتے ہیں صوبہ دار اور دوسروں نے مل کر کہا کہ ''بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا'' تینوں بیانات میں تضاد واضح ہے۔ بالخصوص متی نے ''آدمی، راستباز'' دونوں لفظ حذف کر کے صرف ''خدا

کا بیٹا'' لکھ دیا تا کہ اپنے زعم کے مطابق الوہیتِ مسیح پر دلیل قائم کر لے۔

(۱۰)

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو شاگردوں کو اس طرح حکم دیکر بھیجا:۔

''اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ۔ وہاں پہنچتے ہی ایک گدھی بندھی ہوئی اور اسکے ساتھ بچہ پاؤ گے انہیں کھول کر میرے پاس لے آؤ۔ اور اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا کہ خداوند کو انکی ضرورت ہے۔ وہ فی الفور انہیں بھیج دیگا۔............ پس شاگردوں نے جا کر جیسا یسوع نے انکو حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔ اور گدھی اور بچے کو لا کر اپنے کپڑے ان پر ڈالے اور وہ ان پر بیٹھ گیا'' (متی ۲۱:۲ تا ۷)

یہی واقعہ دوسری جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اور ان سے کہا کہ اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ اور اس میں داخل ہوتے ہی ایک گدھی کا بچہ بندھا ہوا تمہیں ملے گا جس پر کوئی آدمی اب تک سوار نہیں ہوا۔ اسے کھول لاؤ۔ اور اگر کوئی تم سے کہے کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ تو کہنا کہ خداوند کو اسکی ضرورت ہے۔ وہ فی الفور اسے یہیں واپس بھیج دیگا۔ پس وہ گئے اور بچے کو دروازہ کے نزدیک باہر چوک میں بندھا ہوا پایا اور اسے کھولنے لگے۔ مگر جو لوگ وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے ان سے کہا یہ کیا کرتے ہو کہ گدھی کا بچہ کھولتے ہو؟ انہوں نے جیسا یسوع نے کہا تھا ویسا ہی ان سے کہہ دیا اور انہوں نے انکو جانے دیا۔ پس وہ گدھی کے بچے کو یسوع کے پاس لائے اور اپنے کپڑے اُس پر ڈال دیے اور وہ اُس پر سوار ہو گیا'' (مرقس ۱۱:۲ تا ۷)

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گدھی اور اسکا بچہ دونوں منگوائے، مرقس بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گدھی کا بچہ (اکیلا) منگوایا۔ دونوں میں واضح تضاد ہے۔ تاہم مرقس کی بات نسبتاً درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ متی نے کہا کہ یسوع نے ''گدھی اور بچے کو لا کر اپنے کپڑے ان (دونوں) پر ڈالے اور وہ ان (دونوں) پر بیٹھ گیا'' خود سوچئے کہ ایک آدمی دو جانوروں پر بیک وقت کیسے بیٹھے گا اگر اسکو سچا مان لیا جائے تو اسکا عملی منظر کیسا عجیب و غریب ہوگا؟

معزز قارئین! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے یہ چند متضاد بیانات بطورِ مثال ذکر کیے ہیں۔ تمام تناقضات کا احاطہ کرنا تو کسی کے بس کا روگ ہی نہیں۔ اگر بائبل کوئی الہامی کتاب ہے تو ضروری ہے کہ اسکے مندرجات میں موافقت ہو۔ ایک مغربی عیسائی مفکر بھی یہی بات لکھتے ہیں:۔

For any book to win one's confidence, it must be consistent within itself. Particularly must this be true of the Bible, if it is to measure up to the claim that it is the word of God.
{Is the Bible Realy the Word of God? (Watchtower Bible And Tract society), New York,1969,p.89.}

''کوئی کتاب اسی وقت اعتماد کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب اسکے مشمولات باہم مطابقت و یکسانیت رکھتے ہوں۔ اس (اصول) کا خصوصی اطلاق بائبل پر ہونا چاہیے اگر اسے اس دعویٰ پر پورا اترنا ہے کہ وہ کلامِ خداوندی ہے''

انہی تضادات کے پیشِ نظر مسیحی علمِ الٰہیات کے فاضلِ اجل آگسٹائن (Augustine) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

I should not believe in the Gospel if I had not the authority of the Church for so doing.

{Herbert Muller: Uses of the past,p.89.}

''اگر کلیسیا کی سند مجھے انجیل پر اعتماد رکھنے کیلئے نہ کہتی تو میں اس پر کبھی ایمان نہ رکھتا''

لفظی و معنوی تغیر

نئے عہد نامہ کا سارا مواد عہد قدیم کی زمین پر تیار کیا گیا ہے۔ کتب عہد جدید کی بنیاد عہد عتیق کی کتابوں پر ہے بلکہ عہد نامہ جدید میں کثرت کیساتھ پرانے عہد نامہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ کئی مقامات ایسے ہیں کہ جہاں حوالہ دینے کے باوجود

لفظی ومعنوی تحریفات سے گریز نہیں کیا گیا یعنی عہد جدید میں وہ مضمون اور طرح سے ہے اور عہد قدیم میں اور طرح سے۔ ہم اس قسم کی لفظی ومعنوی تبدیلیوں کو چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں:۔

(۱)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اور تم اُس نصیحت کو بھول گئے جو تمہیں فرزندوں کی طرح کی جاتی ہے کہ اے میرے بیٹے! خداوند کی تنبیہ کو ناچیز نہ جان اور جب وہ تجھے ملامت کرے تو بیدل نہ ہو۔ کیونکہ جس سے خداوند محبت رکھتا ہے اسے تنبیہ بھی کرتا ہے اور جسکو بیٹا بنا لیتا ہے اسکے کوڑے بھی لگاتا ہے'' (عبرانیوں ۱۲:۵،۶)

یہاں پولوس جس نصیحت کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ عہد قدیم میں اس طرح آئی ہے:۔

''اے میرے بیٹے! خداوند کی تنبیہ کو حقیر نہ جان اور اسکی ملامت سے بیزار نہ ہو۔ کیونکہ خداوند اسی کو ملامت کرتا ہے جس سے اسے محبت ہے۔ جیسے باپ اس بیٹے کو جس سے وہ خوش ہے'' (امثال ۳:۱۱،۱۲)

دیکھئے! عہد قدیم کی عبارت میں بیٹے کو کوڑے لگانے کا کوئی ذکر نہیں ہے پولوس نے خوامخواہ اضافہ کر دیا تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مصلوبیت کی دلیل بن جائے اور اپنا مدعا ثابت ہو جائے۔

(۲)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اسی لئے وہ دنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا۔ بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا۔ پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا۔ اس وقت میں نے کہا کہ دیکھ! میں آیا ہوں۔ (کتاب کے ورقوں میں میری نسبت لکھا ہوا ہے) تاکہ اے خدا! تیری مرضی پوری کروں''

(عبرانیوں ۱۰:۵تا۷)

یہاں پولوس جس مضمون کا حوالہ دے رہے ہیں وہ عہدِ قدیم میں اس طرح آیا ہے:۔

''قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا۔ تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں۔ سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی۔ تب میں نے کہا دیکھ! میں آیا ہوں۔ کتاب کے طومار میں میری بابت لکھا ہے۔ اے میرے خدا! میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہے بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے''

(زبور ۴۰:۶ تا ۸)

دیکھئے! عہد قدیم کے متن کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام خدا کی شریعت دل میں رکھنے کا پختہ اقرار کرتے ہیں مگر پولوس نے اس جملہ ''بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے'' کو حذف کر دیا اور پوری بات کا رخ بدل کر اسے شریعت کی منسوخی، یسوع کی مصلوبیت اور کفارہ کے اثبات کے طور پر پیش کر دیا۔

(۳)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''بلکہ کسی نے کسی موقع پر یہ بیان کیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے جو تو اسکا خیال کرتا ہے؟ یا آدم زاد کیا ہے جو تو اس پر نگاہ کرتا ہے؟ تو نے اسے فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا۔ تو نے اس پر جلال اور عزت کا تاج رکھا''

(عبرانیوں ۲:۶، ۷)

یہاں پولوس جس شخص کے بیان کا حوالہ دے رہے ہیں وہ عہد قدیم میں اس طرح آیا ہے:۔

''تو پھر انسان کیا ہے کہ تو اسے یاد رکھے اور آدم زاد کیا ہے کہ تو اسکی خبر لے؟ کیونکہ تو نے اسے خدا سے کچھ ہی کمتر بنایا ہے اور جلال اور شوکت سے اسے تاجدار کرتا ہے''

(زبور ۸:۴، ۵)

دیکھئے! عہد قدیم کے متن میں یہ آیا تھا کہ انسان خدا سے کچھ کمتر ہے لیکن پولوس نے اسے فرشتوں سے کم کر دیا۔ کیونکہ اگر انسان کو خدا سے کچھ کمتر قرار دیا جائے تو اسکا دیگر ساری مخلوقات سے افضل ہونے کا، پیدائشی طور پر پاک ہونے اور فطری سلامتی کا واضح

مفہوم نکلتا ہے یعنی وہ پیدائشی مجرم نہیں ہے، موروثی وازلی گناہ گار نہیں ہے بلکہ خدا سے کچھ کمتر ہے باقی سب سے بہتر ہے۔ لیکن جب عبارت بدل کر اسے فرشتوں سے کم کردیا تو اب اسے مزید آگے جاکر ''گناہ گار'' بنانا آسان ہے۔ دیکھئے! کس طرح ''کفارہ'' کی راہ ہموار کی جارہی ہے اور اس مقصد کیلئے کلامِ الٰہی میں تحریف سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

(۴)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''ایمان ہی سے یعقوب نے مرتے وقت یوسف کے دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک کو دعادی اور اپنے عصا کے سرے پر سہارا لے کر سجدہ کیا'' (عبرانیوں ۱۱:۲۱)

یہاں پولوس کی ''ایمان'' سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا ہے۔ وہ اپنی پوری تقریر میں یہ ثابت کررہا ہے کہ سب نے یسوع کے کفارہ وقربانی پر ایمان لاکر ہی نجات پائی ہے اسکے علاوہ نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے جو واقعہ یہاں ذکر ہورہا ہے وہ عہد قدیم میں اس طرح آیا ہے:۔

''اور اس نے کہا کہ تو مجھ سے قسم کھا اور اس نے اس سے قسم کھائی تب اسرائیل اپنے بستر پر سرہانے کی طرف سجدہ میں ہوگیا'' (پیدائش ۴۷:۳۱)

دیکھئے! عہد قدیم کا متن یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے بستر پر سرہانے کی طرف سجدہ کیا اور پولوس کہہ رہے ہیں کہ اپنے عصا کے سرے پر سہارا لیکر سجدہ کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ عہد قدیم سے ناواقف ہیں یا قصداً کلام بدل دیا ہے اور مزید ظلم یہ کیا کہ اس عبارت کو شریعت کی منسوخی، محض یسوع کی صلیب پر ایمان لاکر نجات ملنے پر بطور دلیل پیش کردیا حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کلام میں اس مضمون کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں بلکہ وہ تو اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو مرض الموت میں وصیت کررہے ہیں کہ مجھے مصر لے جاکر

اپنے باپ دادا کے قبرستان میں دفن کرنا اور بس۔

(۵)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:-

''جیسا یسعیاہ نبی کے کلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اسکے راستے سیدھے بناؤ۔ ہر ایک گھاٹی بھر دی جائیگی اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائیگا اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا اور جو اونچا نیچا ہے ہموار راستہ بنیگا۔ اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا''

(لوقا ۳:۴تا۶)

لوقا نے یہاں پر یسعیاہ نبی کی کتاب سے جس کلام کا حوالہ دیا ہے وہ عہد قدیم میں اس طرح آیا ہے:-

''پکارنے والے کی آواز! بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کیلئے شاہراہ ہموار کرو۔ ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلا پست کیا جائے اور ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ہر ایک ناہموار جگہ ہموار کی جائے۔ اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا اور تمام بشر اسکو دیکھے گا کیونکہ خداوند نے اپنے منہ سے فرمایا ہے'' (یسعیاہ ۴۰:۳تا۵)

دیکھئے! عہد قدیم میں یہ مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے جیسا کہ آیات کے سیاق و سباق سے واضح ہے مگر لوقا نے اس کلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جوڑ دیا۔ عہد قدیم کی عبارت میں آخری جملہ یہ تھا کہ ''خداوند کا جلال آشکارا ہوگا اور تمام بشر اسکو دیکھے گا'' مگر لوقا نے اسے بدل کر یوں کر دیا کہ ''ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا'' کیونکہ اسکے بغیر عبارت حضرت مسیح علیہ السلام پر فٹ نہ ہو سکتی تھی۔ انکا جلال کہاں آشکارا ہوا؟ وہ تو مظلومیت و ذلت سے دوچار ہوئے (**نعوذباللہ**) لہٰذا جلال کو نجات سے بدل دیا تا کہ عقیدۂ کفارہ پر استدلال ہو جائے اور واقعہ تصلیب بھی پیشینگوئی کا مصداق بن جائے۔ خدا کے کلام کو اتنی بے باکی سے بدلنے کا اختیار ''رسول'' کے علاوہ کس کو ہو سکتا ہے۔

(۶)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''انہوں نے اس سے کہا یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ: اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا'' (متی ۲:۵،۶)

یہاں متی جس نبی کی معرفت پیشینگوئی کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ عہد قدیم میں اس طرح آئی ہے:۔

''لیکن اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا'' (میکاہ ۵:۲)

دیکھئے! عہد قدیم میں یہاں جو پیشینگوئی مذکور ہے اس میں اسرائیل کو اسیری سے نجات دلانے کیلئے ممسوح بادشاہ کے آنے کی تسلی کا بیان ہے۔ متی نے اسے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی طرف منسوب کر دیا ہے اور متن کے الفاظ بھی بدل دیے۔ عہد قدیم کے متن میں اس طرح تھا ''اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے'' مگر متی نے اس طرح کر دیا ''تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں'' گویا ''چھوٹا ہے'' کو ''چھوٹا نہیں'' بنا دیا' مثبت کو منفی کر دیا اور ''ہزاروں'' کو ''حاکموں'' بنا دیا۔

(۷)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''اے ریاکارو یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی کہ۔ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں''

(متی ۱۵:۷تا۹)

یہاں متی یسعیاہ نبی کی جس نبوت کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ عہد قدیم میں اس طرح آئی ہے:

''پس خداوند فرماتا ہے چونکہ یہ لوگ زبان سے میری نزدیکی چاہتے ہیں اور ہونٹوں سے میری تعظیم کرتے ہیں لیکن انکے دل مجھ سے دور ہیں کیونکہ میرا خوف جو انکو ہوا فقط آدمیوں کی تعلیم سننے سے ہوا''

(یسعیاہ ۲۹:۱۳)

غور فرمایئے! دونوں میں کتنا تفاوت ہے' الفاظ تک بدل دیے ہیں۔ عہد قدیم میں عبارت کا آخری جملہ یہ تھا'' کیونکہ میرا خوف جو انکو ہوا فقط آدمیوں کی تعلیم سننے سے ہوا'' متی نے پوری بات بدل دی اور یوں لکھ دیا'' کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں''۔

(۸)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

''کیونکہ داؤد اسکے حق میں کہتا ہے کہ میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا۔ کیونکہ وہ میری دہنی طرف ہے تا کہ مجھے جنبش نہ ہو۔ اسی سبب سے میرا دل خوش ہوا اور میری زبان شاد بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا۔ اس لئے کہ تو میری جان کو عالم ارواح میں نہ چھوڑیگا اور نہ اپنے مقدس کے سڑنے کی نوبت پہنچنے دیگا۔ تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں۔ تو مجھے اپنے دیدار کے باعث خوشی سے بھر دیگا'' (اعمال ۲:۲۵ تا ۲۸)

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے جو کلام ذکر کیا گیا ہے وہ عہد قدیم میں اس طرح آیا ہے:۔

''میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے۔ چونکہ وہ میرے دہنے ہاتھ ہے اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی۔ اسی سبب سے میرا دل خوش اور میری روح شادمان ہے۔ میرا جسم بھی امن وامان میں رہیگا۔ کیونکہ تو نہ میری جان کو پاتال میں رہنے دیگا نہ اپنے مقدس کو سڑنے دیگا۔ تو مجھے زندگی کی راہ دکھائیگا۔ تیرے حضور میں کامل شادمانی ہے۔ تیرے دہنے ہاتھ میں دائمی خوشی ہے'' (زبور ۱۶:۸ تا ۱۱)

دیکھئے! کس طرح عبارت میں تبدیلیاں کی گئی ہیں نیز یہ کہ اصل متن عہد قدیم میں یہ کلام حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات ہے جو وہ اللہ تعالی سے کر رہے ہیں جیسا کہ سیاق

وسباق سے واضح ہے یہاں حضرت عیسی علیہ السلام کے ذکر کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ کوئی قرینہ یا مناسبت نہیں ہے کہ جس سے حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف اشارہ مفہوم ہو۔ مگر عہد جدید میں اسے بدل کر حضرت عیسی علیہ السلام کو "خداوند یسوع مسیح" بنا کر ساری دعا و زبور انکی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

(۹)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

"تا کہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے۔ خواہ آسمانیوں کا ہو خواہ زمینیوں کا۔ خواہ انکا جو زمین کے نیچے ہیں۔ اور خدا باپ کے جلال کیلئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔

(فلپیوں ۲:۱۰،۱۱)

یہ مضمون عہد قدیم میں اس طرح آیا ہے:۔

"میں خدا ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں۔ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ کلام صدق میرے منہ سے نکلا ہے اور وہ ٹلیگا نہیں کہ ہر ایک گھٹنا میرے حضور جھکیگا اور ہر ایک زبان میری قسم کھائی گی۔ میرے حق میں ہر ایک کہے گا کہ یقیناً خداوندی میں راستبازی اور توانائی ہے"

(یسعیاہ ۴۵:۲۲ تا ۲۴)

دیکھئے! عہد قدیم کے متن میں یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کہ ہر ایک گھٹنا خدا تعالیٰ کے حضور جھکے گا۔ حق بھی یہی ہے مگر پولوس نے خدا کے سوا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا بنا کر ہر ایک گھٹنا انکے آگے جھکا دیا۔

(۱۰)

عہد جدید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:۔

"تا کہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ۔ دیکھو یہ میرا خادم ہے جسے میں نے چنا۔ میرا پیارا جس سے

میرا دل خوش ہے۔ میں اپنا روح اس پر ڈالونگا اور یہ غیر قوموں کو انصاف کی خبر دیگا۔ یہ نہ جھگڑا کریگا نہ شور۔ اور نہ بازاروں میں کوئی اسکی آواز سنے گا۔ یہ کچلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑیگا اور دھواں اٹھتے ہوئے سن کو نہ بجھائیگا جب تک کہ انصاف کی فتح نہ کرائے۔ اور اسکے نام سے غیر قومیں امید رکھیں گی"

(متی ۱۲: ۱۷ تا ۲۱)

یہاں پر متی یسعیاہ نبی کی معرفت جس پیشینگوئی کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ عہد قدیم میں اس طرح آئی ہے:-

"دیکھو میرا خادم جسکو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کریگا۔ وہ نہ چلائیگا اور نہ شور کریگا اور نہ بازاروں میں اسکی آواز سنائی دیگی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑیگا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائیگا۔ وہ راستی سے عدالت کریگا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہاریگا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔ جزیرے اسکی شریعت کا انتظار کرینگے"

(یسعیاہ ۴۲: ۱ تا ۵)

غور فرمایئے! یہ پیشینگوئی کہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے؟ کیونکہ پیشینگوئی میں تو یہ کہا گیا ہے کہ جزیرے اسکی شریعت کا انتظار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے تو شریعت ویسے ہی منسوخ ہوگئی پھر انتظار کیا رہا۔ صاحب شریعت تو حضرت محمد ﷺ ہیں انکی شریعت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی ہے، راستی سے عدالت ہوئی اور جزیروں کو انتظار کی زحمت باقی نہ رہی۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ متی نے محض اپنی طرف سے ایک جملے کا اضافہ فرمادیا کہ "اسکے نام سے غیر قومیں امید رکھیں گی" حالانکہ یسعیاہ کی نبوّت (پیشینگوئی) میں یہ جملہ موجود نہیں ہے۔ یہ جملہ متی نے اس لئے بڑھایا تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو غیر اقوام کا نجات دہندہ بنا سکے۔ اس پر بھی غور کر لیجیے کہ غیر قوموں کو حضرت مسیح علیہ السلام سے کیا امید ہو سکتی ہے وہ تو غیر قوموں کو "کتے" قرار دیتے ہیں (متی ۱۵: ۲۶)

معزز قارئین! ہم نے چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں ورنہ بائبل جس قدر ضخیم ہے اسی قدر اس میں ایسے نمونے موجود ہیں۔ ان مثالوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ

عہد جدید میں حوالہ کی آیات عہد قدیم سے کس قدر مختلف ہیں۔ بیانات بدل دیے گئے ہیں' دوسروں پر چسپاں کر دیے گئے ہیں' ایک کی پیشینگوئی دوسرے کے متعلق کی گئی ہے' ایک کے اوصاف دوسرے کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں۔ طرح طرح سے حذف و اضافات کیے گئے ہیں اور اسرائیل کے ایک عظیم نبی کے بقول خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے (یرمیاہ ۲۳:۳۶) آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ایسے کلام کے الہامی و آسمانی ہونے کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

اقرارِ تحریف

بائبل مقدس ایک ایسی کتاب ہے جسکی ایک ہی فریاد ہے کہ میں دوسروں سے ناراض نہیں ہوں میرے ساتھ جو کیا اپنوں نے کیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آج تک کسی غیر عیسائی نے بائبل پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ بے چاری خود عیسائیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہے۔ عیسائی آئے دن ''خدا کے کلام'' کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ویسے تو عیسائیت کے مذہبی فرقوں کا کوئی شمار نہیں تاہم دو بڑے فرقے پائے جاتے ہیں اور بدقسمتی سے دونوں کے پاس ایک الہامی کلام نہیں ہے بلکہ ایک فرقہ بائبل کی سات کتابوں کو الہامی مانتا ہے اور دوسرا فرقہ ان سات کتابوں کو جعلی کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا مذہبی حادثہ ہے کیونکہ الہامی مذہب کی بنیاد الہامی کتاب پر ہوتی ہے اگر کتاب سچی ہے تو مذہب سچا ہے اور اگر کتاب قابلِ اعتماد نہیں تو مذہب میں بھی سچائی کا کوئی پہلو نہیں۔ جو قوم اپنی الہامی کتاب پر ہی اتفاق نہیں رکھتی اسکے عقائد و اصول کتنے مختلف ہونگے اور اسکی فروعات' جزئیات میں مزید کتنا اختلاف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مصدقہ اطلاع کے مطابق آج کل پاکستان میں ''اردو بائبل'' اور ''رومن کیتھولک اردو بائبل'' کو ایک ''مشترکہ بائبل'' بنانے کے منصوبے پر غور ہو رہا ہے۔

بائبل مقدس کا مروّجہ ترجمہ ختم کر کے اسکی جگہ پروٹیسٹنٹ اور رومن کیتھولک ترجمے کو ملا کر ایک ''مشترکہ اردو بائبل'' کی تیاری کا کام ہو چکا ہے۔ (بحوالہ مسیحی ماہنامہ ''کلامِ حق'' گوجرانوالہ دسمبر ۲۰۰۶ء جلد ۴۱ شمارہ ۱۲) معلوم نہیں ان ''مصلحین'' نے کس طرح سمجھوتہ کیا ہوگا اور ان سات مختلف فیہ کتابوں کیساتھ کیا سلوک کیا ہوگا؟ اسی طرح بائبل میں اصلاح وترمیم' حذف وتحریف کا عمل ماضی بعید سے جاری ہے اگر آپ بائبل کے مختلف تراجم اور متعدد نسخوں کو لیکر تجزیہ کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی۔ قرآن کریم اس حقیقت کو اپنے پرمغز معجزانہ الفاظ میں یوں بتاتا ہے

وَلَاتَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (القرآن ۵:۱۳)

''اور آئے دن تمہیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے''

قرآن کریم کے مطابق یہودی ومسیحی علماء اپنی مرضی سے کلامِ الٰہی میں ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔ اگرچہ عمومی طور پر یہ لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے مگر وقتاً فوقتاً انکے تحریفی کارنامے منظر عام پر آجاتے ہیں اور اس طرح قرآن مجید کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی رہتی ہے۔ ایک ایسا ہی تازہ ترین نمونہ ملاحظہ فرمائیے! یہ راسخ الاعتقاد مسیحیت کے واحد علمبردار ماہنامہ ''کلام حق'' گوجرانوالہ' فروری ۲۰۰۴ء جلد ۳۹' شمارہ ۲ سے لیا گیا ہے۔

(بقیہ) (پادری عمانوئیل [illegible])

چرچ آف پاکستان اور پریسبٹیرین چرچ آف پاکستان کی سرکاری انگریزی بائبل

یو۔ پی۔ چرچ کی اڑتیس (۳۸) سالہ جدوجہد

اس ترجمے کے ذریعے کلیسیا میں بدعتی تعلیم رائج کی جا رہی ہے۔ کلام مقدس کی بیشتر آیات جو خداوند مسیح کی الوہیت، کفارہ اور خداوند کے آسمان پر اٹھائے جانے سے متعلق ہیں۔ اس نئی امریکی بائبل (آر۔ ایس۔ وی) میں سے بغیر کسی وجہ اور تشریح کے نکال دی گئی ہیں۔ مغربی پاکستان کی تمام مشنری اور ان کے زیر اثر کلیسیائیں اور ان کے رہنما اس ترجمہ کی حمایت کر رہے ہیں انہوں نے اس گمراہ کن ترجمہ سے تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوان طلباء کو جو پاکستانی کلیسیا کی ریڑھ کی ہڈی ہیں بے مایوس کرنے کا مکروہ فعل جاری رکھا ہوا ہے ذیل میں انجیل مقدس کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو اس ترجمہ میں انجیل مقدس میں سے نکال دی گئی ہیں تاکہ پاکستانی کلیسیا حقیقت حال سے بخوبی واقف ہو جائے۔ انٹرنیشنل کونسل آف کرسچن چرچز جو تمام دنیا میں اس مذموم حرکت کے خلاف صف آراء ہیں اور پاکستانی کلیسیا میں بھی جو اس کونسل سے ملحق ہیں اور جن میں یو۔ پی۔ چرچ آف پاکستان پیش پیش ہے۔ اس ملک میں اس بدعتی ترجمہ کے خلاف لڑ رہے ہیں

مقدس متی کی انجیل میں سے نکالی ہوئی آیات:-

۱۲ : ۴۷ کسی نے اُس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں

۱۷ : ۲۱ لیکن یہ قسم دعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی۔

۱۸ : ۱۱ کیونکہ ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔

۱۹ : ۹ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے۔ اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرتا وہ بھی زنا کرتا ہے ——— خط کشیدہ حصہ آر۔ ایس۔ وی میں حذف کر دیا گیا ہے

۲۱ : ۴۴ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ یہاں پتھر سے مراد خداوند یسوع ہے۔ لیکن آر۔ ایس۔ وی کے خیال میں یہ درست نہیں۔

۲۳ : ۱۴ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

مقدس مرقس کی انجیل:-

۷ : ۱۶ اگر کسی کے سننے کے کان ہوں تو وہ سن لے ——— حذف۔

۹ : ۴۴ جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی ——— حذف

۹ : ۴۹ کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا اور ہر ایک قربانی نمک سے نمکین کی جائے گی ——— خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۰ : ۲۴ جو لوگ دولت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کے لئے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا کیا ہی مشکل ہے ——— خط کشیدہ

جملہ حذف کر دیا گیا۔

۱۱ : ۲۶ اور اگر تم معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے تمہارے قصور بھی معاف نہ کرے گا۔ (ساری آیت حذف شدہ)

۱۴ : ۶۸ اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے۔ پھر وہ باہر ڈیوڑھی میں گیا اور مرغ نے بانگ دی ———— خط کشیدہ جملہ حذف کیا گیا ہے)

۱۵ : ۲۸ تب اس مضمون کا وہ نوشتہ کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا پورا ہوا۔ (ساری آیت حذف

۱۶ : ۹ - ۲۰ تک تمام آیات اس ترجمہ سے نکال دی گئی ہیں

مقدس لوقا کی انجیل:۔

۹ : ۵۵ مگر اس نے پھر کر انہیں جھڑکا اور کہا تم نہیں جانتے کہ تم کیسی روح کے ہو۔ (خط کشیدہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے)

۲۲ : ۱۹ پھر اس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی۔ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو۔ ———— خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔

لوقا ۲۲ : ۲۰ اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے ———— (ساری آیت حذف کی گئی ہے)

۲۳ : ۱۷ اسے ہر عید میں ضرور تھا کہ کسی کو ان کی خاطر چھوڑ دے۔ ———— (ساری آیت حذف)

۲۴ : ۳ مگر اندر جا کر یسوع کی لاش نہ پائی ———— (خط کشیدہ الفاظ حذف)

۲۴ : ۶ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ جی اٹھا ہے ———— (ساری آیت حذف)

۲۴ : ۱۲ اس پر پطرس اٹھ کر قبر تک دوڑا گیا اور جھک کر نظر کی اور دیکھا کہ صرف کفن ہی کفن ہے اور اس ماجرے سے تعجب کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا ———— (ساری آیت حذف)

۲۴ : ۴۰ اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ ———— (ساری آیت حذف)

۲۴ : ۵۱ اور جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا۔ اور آسمان پر اٹھایا گیا۔ (آخری جملہ خط کشیدہ حذف کیا گیا ہے)

۲۴ : ۵۲ اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے ———— (خط کشیدہ حذف)

مقدس یوحنا کی انجیل:۔

۱ : ۱۴ اور کلام مجسم ہوا۔ اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ ———— (لفظ اکلوتا حذف کر دیا گیا)

۳ : ۱۳ اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا۔ سوا اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔ ———— (آخری جملہ خط کشیدہ حذف کیا گیا)

۳ : ۱۶ کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ (لفظ اکلوتا حذف کیا گیا۔ تاکہ کنواری سے پیدا ہونے کی حقیقت کو چھپایا جائے۔)

۳:۵ ان میں بہت سے بیمار اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے۔ (خط کشیدہ
پانی کے ہلنے کے منتظر حذف کر دیا گیا ہے۔)

۴:۵ کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اُتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اُترتا سو وہ شفا پاتا۔
اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو۔ (ساری آیت حذف ہے)

۵۳:۷ تا ۱۱:۸ اس عورت کا قصہ جو زنا میں پکڑی گئی (سارے کا سارا نکال دیا گیا ہے)

۳۵:۹ اور جب اس سے ملا تو کہا کیا تو خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے۔ خدا کے بیٹے کی جگہ ابن آدم لکھ دیا گیا ہے۔

رسولوں کے اعمال

۳۷:۸ فلپس نے کہا کہ اگر تو دل و جان سے ایمان لائے تو بپتسمہ لے سکتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ
یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ —— (ساری آیت حذف)

۲۹:۲۸ جب اس نے یہ کہا تو یہودی آپس میں بہت بحث کرتے چلے گئے (ساری آیت حذف)

رومیوں کے نام خط

۲:۵ جس کے وسیلے سے ایمان کے سبب سے اس فضل تک ہماری رسائی ہوئی۔ (لفظ ایمان حذف)

۲۴:۱۶ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تم سب کے ساتھ ہو۔ —— (ساری آیت حذف)

کرنتھیوں کے نام پہلا خط

۲۹:۱۱ کیونکہ جو کھاتے پیتے وقت خداوند کے بدن کو نہ پہچانے وہ اس کھانے پینے سے سزا پائے گا۔ (لفظ خداوند حذف کیا گیا)

عبرانیوں کے نام خط

۷:۲ تو نے اسے فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا۔ تو نے اس پر جلال اور عزت کا تاج رکھا اور اپنے ہاتھوں کے کاموں پر اسے اختیار بخشا
(خط کشیدہ جملہ حذف)

مقدس یوحنا کا پہلا خط عام:۔

۹:۴ جو محبت خدا کو ہم سے ہے وہ اس سے ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا تا کہ ہم اس کے سبب
سے زندہ رہیں (لفظ اکلوتا حذف کر دیا گیا)

پرانے عہد نامہ کی حذف شدہ آیات — زبور

۱۲:۲ بیٹے کو چومو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ قہر میں آئے۔ یہاں بیٹے کو چومو کی بجائے اس کے پاؤں چومو لکھا گیا ہے۔

۶:۴۵ اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ — (خط کشیدہ جملہ حذف)

یسعیاہ:۔

۱۴:۷ لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا پیدا ہو گا۔ (کنواری کی جگہ
جوان عورت)

(باقی صفحہ ۱۴۳، آخر پر)

صفحہ نمبر ۴۲ سے آگے

زکریاہ

9:9 اے بنتِ صیہون تو نہایت شادمان ہو۔ اے دخترِ یروشلم خوب للکار۔ کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ
صادق ہے اور نجات اس کے ہاتھ میں ہے۔ (خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے۔)

حذف شدہ آیات پر غور کرنے سے ایک حقیقت واضح ہے کہ آر ایس وی کے مترجمین کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک ہو سکے کلام مقدس میں سے وہ تمام آیات حذف کر دی جائیں جن سے خداوند یسوع مسیح کا تجسم، الوہیت، کفارہ، مُردوں میں سے زندہ ہونا اور آسمان پر صعود فرمانا ثابت ہوتا ہے تاکہ خداوند یسوع مسیح کی دوبارہ آمد مشکوک ہو جائے اور خداوند کو وہی حیثیت حاصل ہو جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہے۔ اور انہوں نے اس طرح خداوند مسیح کی الوہیت اور پاکیزگی اور فوق البشر ہونے کا انکار کیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی مذموم جسارت ہے کہ اس کی موجودگی میں مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے اور اس طرح انہوں نے نام نہاد علماء نے مسیح کے مخالفین کا کردار ادا کیا ہے۔

معزز قارئین! آپ نے دیکھا کہ یہ ''بائبل'' چرچ آف پاکستان اور پریسبٹرین چرچ آف پاکستان کی طرف سے اڑتیس سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس علمی کاوش کو انجام دینے والے عام عیسائی نہیں بلکہ منتخب ترین محقق اہلِ علم اور بڑے بڑے پادری صاحبان ہیں۔ ان حضرات نے کلامِ مقدس کی جن آیات کو نکالا ہے وہ اکثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت' کفارہ وغیرہ یعنی عیسائیت کے بنیادی نظریات سے متعلق ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوان طلباء میں ان خود ساختہ عقائد سے پیچھا چھڑانے کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ کیونکہ تثلیث' کفارہ' ابنیت' تجسمِ الوہیت وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کا حصہ نہیں ہیں۔ اس بائبل کے مرتبین علماء کی مخلصانہ کوشش سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آج کی مسیحی دنیا اپنے عقائد پر اچھی خاصی الجھن اور کشمکش میں مبتلا ہے حتیٰ کہ اپنی الہامی کتاب میں ان خلافِ عقل و نقل نظریات کے متعلق محض آیات کے وجود کو بھی پسند نہیں کرتی۔ آج کا دور سائنسی ترقی کا دور ہے ہر چیز آن دا ریکارڈ ہے عام طور سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ اس زمانے میں تو زبان کے الفاظ اس طرح محفوظ ہو جاتے ہیں کہ ان سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی تحریری نوشتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ پریس اور الیکٹرانک میڈیا کے اس

ترقی یافتہ دور میں الہامی دستاویزات کو اس طرح بدل دینا کوئی معمولی کام نہیں اسکے لئے بڑی جرأت اور ہمت چاہیئے جو ان لوگوں نے بڑی بے باکی سے کر دکھائی۔

معزز قارئین! مسیحی علماء نے بائبل کی صحت، قدامت اور صداقت پر بہت کتابیں لکھی ہیں۔ ان سب کا خلاصہ اور قدرِ مشترک یہ ہے کہ بائبل خدا کا کلام ہے گھاس مرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔ خدا کے کلام میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے تو وہ بتائے کہ کس نے تحریف کی؟ کیوں تحریف کی؟ کب تحریف کی؟ کہاں تحریف کی؟ کس طرح تحریف کی؟ یہ پانچ سوالات ہیں جو مسیحی علمِ الٰہیات کی کل پونجی ہیں جنہیں داغ کر وہ تمیں مار خان بنے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میدان مار لیا ہے۔ مسیحی علماء کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ ان پانچوں سوالات کے جوابات اُنکے مؤقر علمی ماہنامہ ''کلام حق'' نے دے دیے ہیں۔ وہ چونکہ صاحب علم ہیں اس لئے تمام جواب سمجھ گئے ہونگے لیکن ہم مسیحی عوام کی خاطر قدرے تفصیل لکھتے ہیں۔

پہلا سوال یہ تھا کہ کس نے تحریف کی؟ جواب میں عرض ہے کہ چرچ آف پاکستان اور پریسبٹرین چرچ آف پاکستان کے بڑے بڑے مقتدر عیسائی پادری صاحبان نے کی ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ تحریف کیوں کی؟ جواباً عرض ہے کہ اصل وجہ تو انہیں معلوم ہوگی کہ کیوں تحریف کی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ نکالی ہوئی آیات کا مواد غلط تھا۔ ان آیات کا کلامِ الٰہی ہونا مستند نہ تھا لہٰذا تحریف کرتے ہوئے ان آیات کو نکال دیا۔ یہی مناقشہ اہل اسلام اور مسیحی دنیا کے درمیان صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ جس میں اہل اسلام کا کہنا یہ ہے کہ ''بائبل پوری کی پوری کلامِ الٰہی نہیں بلکہ اس میں کلامِ الٰہی ہے''۔ ان پادری صاحبان نے اپنے عمل سے تصدیق کر دی کہ حذف شدہ آیات کلامِ الٰہی نہ تھیں لہٰذا ہم نے اُنکو نکال دیا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ کب تحریف کی؟ جواباً عرض یہ ہے کہ جن اڑتیس سالوں میں انہوں نے یہ خدمت انجام دی اسی وقت تحریف ہوئی۔

چوتھا سوال یہ تھا کہ کہاں تحریف کی؟ جواباً عرض ہے کہ متعلقہ آیات کی نشاندہی ''کلامِ حق'' نے کردی ہے وہیں وہیں تحریف ہوئی۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ کس طرح تحریف کی؟ جواباً عرض ہے کہ سب اہل علم سر جوڑ کر بیٹھے، تحقیق کرنے میں خون پسینہ ایک کیا۔ اتفاقِ رائے سے یہ آیات نکال باہر کیں اس طرح تحریف ہوگئی۔

آخر میں مسیحی دنیا سے گذارش ہے کہ وہ مسلم ممالک میں اپنی این جی اوز اور عیسائی مشنریوں کے ذریعے رفاہی کاموں کا لیبل لگا کر 'حقوقِ انسانی' خدمتِ انسانیت کا عنوان رکھ کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں اور انکے معاشی وسیاسی مسائل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ انکو اور مسیحی علماء کو بالخصوص دعوت ہے کہ وہ کچھ وقت نکال کر قرآنِ مجید کو موضوع تحقیق بنائیں اور کھوج لگائیں کہ آیا چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ بھی اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہوا ہے؟

؎ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

قرآن مجید کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے یہی وجہ ہے کہ یہ پاک کلام سات آٹھ سالہ معصوم بچوں کے سینوں میں محفوظ ہے گویا اُنکے سینے ہی اناجیل ہیں۔ قرآن کے تیس پاروں کا یوں زبانی یاد ہونا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ بائبل کا یہ حال ہے کہ پاپائے روم کو بھی اسکی تہتر کتابوں میں سے صرف ایک کتاب بھی زبانی یاد نہیں۔ یہ ہے ان لوگوں کا اپنی پیاری کتاب اور لاتبدیل کلام کیساتھ شغف اور تعلق۔ دراصل بات یہ ہے کہ جو کلام اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبروں پر انتہائی گندے الزامات لگاتا ہو وہ سینوں میں کیسے محفوظ رہ سکتا

ہے؟ کوئی شخص ایسا کرنا بھی چاہے تو ذہنی توازن کھو بیٹھے گا۔ تجربہ کر دیکھئے!!!

ولله الحمد أوله وآخره وظاهره وباطنه على ما هدانا للإسلام وما كنا لنهتدي إليه لولا أن هدانا الله وصلى الله تعالى على خير خلقه وصفوة رسله وإمام أنبياءه محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين عبده وعليهم صلوات الله وسلامه وعلى آله وأصحابه أجمعين ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم آمين

برحمتك يا أرحم الراحمين

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلام قبول کرنے کی وجوہات بیان کرنے سے پہلے میں چاہوں گا کہ مختصراً اپنا تعارف کروادوں۔ میرے والد اگسٹنگ سردار پال ملتان کے ایک پروٹسٹنٹ چرچ میں پادری تھے۔ جب میں پیدا ہوا تو میرا نام گلزار اے پال رکھا گیا۔ میں نے میٹرک' ایف اے اور بی اے کا امتحان ملتان سے پاس کیا' اسکے بعد میں اٹک چلا گیا اور مسیحی مذہبی تعلیمات ''علوم الٰہیات'' کے گریجویٹ کورس B.Th کیلئے ''زیڈ بی آئی سیمنری'' میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۲ء میں کوئٹہ کے ''سینٹ کوسٹل چرچ'' میں بطور پادری خدمات سرانجام دینے لگا۔ ایک سال بعد ڈیرہ غازیخان میں مسیحی ادارے ''دی بیسک انفارمیشن فار بائبل'' میں بطور مینیجر میرا تقرر ہوگیا۔ یہاں میں نے چار سال گزارے۔

علوم الٰہیات (Theology) میں ماسٹر ڈگری (M.Th.) کیلئے میں نے گوجرانوالہ سیمنری میں داخلہ لیا۔ یہاں چونکہ روزانہ حاضری لازمی نہیں تھی' اس لئے میں ساتھ ملازمت بھی کرتا رہا۔ ۱۹۸۲ء میں مَیں نے ایم اے اسلامیات کرنے کیلئے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۴ء میں اسلامیات میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ (ایم اے اسلامیات کی وجوہات آگے بیان کرونگا) دوران تعلیم ہی یعنی ۱۹۸۳ء میں ''سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ چرچ'' کے ایک ذیلی ادارے ''پاکستان ہوم اینڈ ہیلتھ سروس'' کے جریدہ ''ماہنامہ صحت'' کے سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ میں بطور مینیجر کام کرنے لگا۔ M.Th کے تھیسس کیلئے میرا موضوع ''مسیحیت اور دنیا بھر کے مذاہب'' تھا۔ ۱۹۸۳ء میں مَیں نے کوٹ لکھپت (لاہور) کے ایک چرچ میں بطور پادری خدمات انجام دیں۔ پاکستان ایڈونٹسٹ سیمنری فاروق آباد ضلع شیخوپورہ میں چھ سال علوم الٰہیات کی تدریس کی۔ ۱۹۸۸ء۔ ۱۹۹۱ء میں انٹرنیشنل گوسپل یونیورسٹی جرمنی سے ایم فل کیا۔

میری والدہ ایک ہاؤس وائف ہیں اور والد کیساتھ باقاعدہ گرجا جاتی ہیں۔ ہم سات بہن بھائی ہیں' چار بھائی اور تین بہنیں۔ میں سب سے بڑا ہوں۔ ۱۹۹۲ء میں میری شادی ہوئی۔ میرے دو بچے ہیں' ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا' تو اسکی متعدد وجوہات ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب میں چرچ میں پادری تھا تب مسلمان بھی میرے پاس آتے تھے۔ اگرچہ میں انکو جوابات تو دیتا تھا تاہم ساتھ یہ بھی سوچتا تھا کہ آخر اسلام ہے کیا؟ اس چیز نے مجھے اسلام کے متعلق مزید علم حاصل کرنے پر ابھارا۔ چنانچہ میں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا۔ اسکے ساتھ M.Th کے تھیسس میں میرا موضوع تھا: ''مسیحیت اور دنیا بھر کے مذاہب''۔ پھر میں نے ایم فل بھی علوم الٰہیات میں کیا ہوا تھا' ان سب باتوں نے مل کر میرے اندر غور وفکر اور تقابلِ ادیان کا جائزہ لینے کی جستجو اور صلاحیت پیدا کردی۔ اسکے بعد جہاں مجھے اسلام کو قریب سے

جاننے کا موقع ملا وہاں مسیحیت کے اندر پائی جانے والی خامیوں' خلا اور تضادات کا بھی مجھے ادراک ہوا۔ اگر مسیحیت میں پائی جانے والی خامیوں کا مجھے ادراک نہ ہوتا تو شاید میں بھی دوسرے پادریوں کی طرح بدستور مسیحیت سے چمٹا رہتا۔ مسیحیت کے اندر بہت سے حل طلب سوالات اور بہت سے تضادات تھے۔ میں یہ سوالات پادریوں اور مسیحی علماء کے سامنے رکھتا مگر کسی سے بھی مجھے اطمینان بخش جواب نہ ملتا۔ جوابات نہ ملنے کی وجہ سے ایک طرف مسیحیت سے غیر مطمئن ہونے لگا تو دوسری طرف اسلام کی طرف میرا رجحان مزید بڑھتا چلا گیا۔

۱۹۹۹ء کی بات ہے جب میری ملاقات کرنل بصالت سے ہوئی۔ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے بارے میں مَیں نے ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ انہوں مجھے الازہر یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ زید بن مسلم کی لکھی ہوئی کتاب ''**المخلصی للاقوام**'' کا انگریزی ترجمہ''The Salvation of Nations'' پڑھنے کو دیا۔ اس کتاب میں غیر مسلموں کے اندر اسلام کے متعلق جو اشکالات اور سوالات اٹھ سکتے ہیں' انکے جوابات دیے گئے ہیں۔ کتاب میں سات سو سے زائد سوالوں کے جوابات موجود ہیں۔ خوش قسمتی سے میرے تمام سوالوں کے جوابات اس کتاب میں موجود تھے۔ میں نے یہ کتاب تقریباً دو سال مسلسل پڑھی۔ اگرچہ اس دوران میں نے اسلام قبول نہیں کیا تاہم گھر میں اہلیہ سے گفت و شنید ہوتی رہتی تھی۔ جب ۲۰۰۴ء شروع ہوا تو میں نے اپنی اہلیہ سے بات کی کہ سچائی' صداقت اور حق کی تلاش کا جو سفر میں نے شروع کیا تھا اسے میں نے پالیا ہے' میں اپنی منزل پر پہنچ چکا ہوں اور میری منزل اسلام ہے۔ میری اہلیہ گریجویٹ اور سنجیدہ خاتون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے میں آپ کیساتھ ہوں۔ میں نے کہا کہ تم بھی پہلے ''The Salvation of Nations'' پڑھ لو تا کہ بعد میں ہماری زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ بیگم نے کتاب کو بڑی گہرائی سے متعدد بار پڑھا تو اللہ نے آخرکار اسے بھی شرح صدر عطا کیا اور اس نے بھی دل و جان سے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرلیا۔ پھر ہم نے ۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء کو قاری سعید احمد جو میرے دوست بھی ہیں' کی وساطت سے جامعہ اشرفیہ (لاہور) میں جا کر اسلام قبول کرلیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میری بیوی کا نام الزبتھ تھا' اب بتول فاطمہ ہے۔ میرا نام گلزار اے پال تھا' اب گلزار احمد ہے۔ بیٹی کا نام کومل پال سے سائرہ اور بیٹے کا اسحٰق سے اسحاق ہے۔

جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو میرے سابقہ مذہبی حلقے میں زلزلہ برپا ہو گیا اور بھونچال آ گیا۔ اس لئے کہ کسی پادری کا اسلام قبول کرنا انکے نزدیک مسیحیت کا ناقابل تلافی نقصان تھا۔ سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ والوں کو میرے اسلام قبول کرنے کی خبر بذریعہ اخبار (The daily Nation) ۱۳ اپریل ۲۰۰۴ء کو ملی۔ چیئرمین نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کیا۔ میں نے خبر کی تصدیق کردی۔ انہوں نے بغیر کوئی نوٹس دیے مجھے نوکری سے فارغ کردیا' بلکہ مجھے جو رہائش دی گئی تھی وہ بھی خالی کروالی گئی۔ انہوں نے اس سے بھی بڑھ کر ایک ایسا قدم اٹھایا جسکی مجھے بالکل

توقع نہ تھی۔ وہ یہ کہ مجھ سے کہا گیا کہ "۲۷سال کے عرصے میں جتنا میڈیکل الاؤنس لیا ہے واپس کردو"۔ یہ رقم ۸۰ ہزار روپے بنتی تھی' جو میں نے گھر کا سامان بیچ کر لوٹا دی' اس لیے کہ مجھے اسلام کی دولت مل چکی تھی اور اسکے مقابلے میں دنیاوی دولت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اسکے بعد وقتی طور پر مشکلات آئیں۔ مقامِ شکر ہے کہ اللہ نے مجھے تمام مشکلات میں ثابت قدم رکھا۔ خاص طور پر میری اہلیہ اور بچوں نے بھرپور ساتھ دیا۔ اہلیہ نے گھر میں ٹیوشن سنٹر کھول لیا۔ میرے دوست سلیم بخاری مجھے فیصلے کے ڈسٹری بیوٹر شیخ ذاکر کے پاس لے گئے اور وہاں مجھے ملازمت مل گئی۔ دوسری طرف پادری طبقہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ مجھ پر قاتلانہ حملے کروائے گئے اور جان سے مارنے کی کوشش کی گئی۔ بعض عیسائی مسلمانوں کی ملکیت قومی اخبارات میں اہم پوسٹوں پر ہیں' انہوں نے بھی میرے قتل کی کوشش کی۔ ایک روز میں اپنے بیوی بچوں سمیت سروسز ہسپتال میں ایک مریض کی تیمارداری کیلئے گیا۔ وہاں کا سٹاف مجھے جانتا تھا' ان میں سے کسی نے میرے دشمنوں کو اطلاع کر دی۔ چنانچہ تیمارداری کرنے کے بعد جب ہم باہر نکلے تو ایک گاڑی نے سڑک پر ہمیں کچلنے کی کوشش کی۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا کہ ہم بچ گئے۔ ایک بوڑھا شخص جو وہاں سے گزر رہا تھا' اس نے کہا "گاڑی نے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' لیکن بچانے والا طاقتور ہے' اس نے آپ کو بچا لیا ہے" میں نے گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا۔ جب یہ نمبر ٹریس کیا گیا تو ایک پادری کی گاڑی کا نکلا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں نے اپنے والدین سے مشورہ کیا تو انہوں نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی مگر کوشش ناکام رہی۔ اسلام قبول کرتے ہی والد نے مجھے عاق کر دیا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے والد کا سینہ بھی اسلام کیلئے کھول دے۔ یہی حال میرے سسرال کا ہے۔ وہ بھی ہم سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ ہمیں دنیوی رشتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ اصل' سچا اور حقیقی رشتہ اللہ کے سچے دین اور نبی آخر الزمان ﷺ کا ہے' یہ سب سے مضبوط اور پائیدار رشتہ ہے۔ باقی رہے مصائب' یہ تو اللہ کے برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم السلام پر بھی آتے رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ حق پر چلنے والوں کیلئے حق کے دشمنوں نے پھول نچھاور کیے ہوں اور راستے میں قالین بچھائے ہوں۔ قرآن مجید میں اصحاب کہف اور اصحاب الاخدود کے واقعات ہمارے لئے مثال ہیں۔ اب میں مسیحیت میں پائے جانے والے تضادات کا تفصیل سے ذکر کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ یہی تضادات میرے مسیحیت سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کا بنیادی سبب بنے ہیں۔ یہی وہ تضادات' اشکالات یا سوالات ہیں کہ جن کی خاطر میں بڑے بڑے پادریوں کے پاس گیا لیکن میری تسلی اور تشفی کہیں بھی نہ ہو سکی۔ ان تضادات کو تفصیل سے بیان کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ انہیں پڑھ کر میری طرح شاید کوئی دوسرا بھولا بھٹکا مسیحی بھی راہِ ہدایت پالے.................

(بشکریہ ماہنامہ "میثاق" لاہور۔ ستمبر ۲۰۰۵ء)

زیرِ تکمیل

ازالۃ الاوہام

ردِ عیسائیت پر شہرۂ آفاق مصنف، نامور محقق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ کی سب سے پہلی قدیم ونایاب فارسی تصنیف سلیس اردو کے پیراہن میں جس میں عیسائیت کی طرف سے اسلام پر کیے گئے جملہ اعتراضات کے مکمل ومدلل، الزامی وتحقیقی، جامع ومسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

اردو ترجمہ وتقدیم، شرح وتحقیق

مولانا ابومحمد اسماعیل عارفی